شہادتِ حسینؓ

قاتل سنان بن اُنس ۔ نیزے کے ۳۳ زخم، تلوار کے ۳۴ گھاؤ
نعش گھوڑوں سے روندی گئی ۔ اشتعال کا تمام کام شمر نے انجام دیا
حضرت حسینؓ کے ۷۲ آدمی شہید ہوئے

از

امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد (مرحوم)

M.KTABA ... LTD.
URDU BAZAR,
DELHI-6.

کراچی بک ڈپو
82/1 ...
کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؀

تاریخِ کربلا

(۱) مجھے وہیں لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں
(۲) مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو۔
(۳) مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں کے
لوگوں پر جو گذرتی ہے وہی مجھ پر بھی گذرے گی۔

اہل بیت شروع سے اپنے تئیں خلافت کا زیادہ حقدار سمجھتے تھے۔ امیر معاویہؓ بن ابی سفیان کی وفات کے بعد تختِ خلافت خالی ہوا یزید بن معاویہ پہلے سے ولی عہد مقرر ہو چکا تھا۔ اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ اور حسین بن علی علیہ السلام سے بھی بیعت کا مطالبہ کیا۔

امیر المومنین علی علیہ السلام نے کوفہ کو دارالخلافت قرار دیا تھا۔ اس لئے وہاں اہل بیت کرام کے طرف داروں کی تعداد زیادہ تھی۔ انہوں نے حضرت حسینؓ کو خط لکھا کہ آپ تشریف لائیے۔ ہم آپ کا ساتھ دیں گے۔ آپ نے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو اہل کوفہ سے بیعت کر لینے کے لئے بھیجا اور خود بھی سفر کی تیاری کرنے لگے۔

دوستوں کا مشورہ

آپ کے دوستوں اور عزیزوں کو معلوم ہوا تو سخت مضطرب ہوئے وہ اہل کوفہ کی بے وفائی اور زمانہ سازی سے واقف تھے۔ بنی اُمیہ کی سخت گیر طاقتوں سے بھی بے خبر نہ تھے۔ انہوں نے اس سفر کی مخالفت کی حضرت عبداللہ بن عباس نے کہا۔ "لوگ یہ سُن کر بہت پریشان ہیں۔ کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ مجھے اصل حقیقت سے آگاہ کیجئے" حضرت حسینؓ

آپ اُن کی آنکھوں کے سامنے اسی طرح قتل نہ کر ڈالے جائیں جس طرح عثمانؓ بن عفان اپنے گھر والوں کے سامنے قتل کئے گئے تھے۔

تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد حضرت ابن عباسؓ نے جوش میں آکر کہا "اگر مجھے یقین ہوتا کہ آپ کے بال پکڑ لینے اور لوگوں کے جمع ہونے سے آپ رک جائیں گے تو واللہ میں ابھی آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لوں" مگر آپ اپنے ارادہ پر قائم تھے۔

عبداللہ بن جعفرؓ کا خط

اسی طرح اور بھی بہت سے لوگوں نے آپ کو سمجھایا آپ کے چچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر نے مدینہ سے خط بھیجا

"میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ یہ خط دیکھتے ہی اپنے ارادے سے باز آجایئے کیونکہ اس راہ میں آپ کے لئے ہلاکت اور آپ کے اہلبیت کے لئے بربادی ہے اگر آپ قتل ہو جائیں تو زمین کا نور بجھ جائیگا۔ اس وقت ایک آپ ہی ہدایت کا نشان اور ارباب ایمان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔ سفر میں جلدی نہ کیجئے۔

والی کا خط

یہی نہیں بلکہ عبداللہ بن جعفر نے یزید کے مقرر کئے ہوئے والی عمرو بن سعید بن العاص سے جاکر کہا، حسین ابن علیؑ کو خط لکھکر ہر طرح مطمئن کر دو، عمرو نے کہا۔ آپ خود لکھ لائیے میں مہر کر دوں گا۔ چنانچہ عبداللہ نے والی کی جانب یہ خط لکھا:۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ آپ کو اس راستہ سے دور کر دے جس میں ہلاکت ہے اور اس راستہ کی رہنمائی کرے جس میں سلامتی ہے۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ عراق جا رہے ہیں۔ میں آپ کے لئے شقاق و اختلاف سے پناہ مانگتا ہوں میں آپ کی ہلاکت سے ڈرتا ہوں میں عبداللہ بن جعفر بن سعید کو آپ کے پاس بھیج رہا ہوں۔ ان کے ساتھ واپس چلے آیئے میرے پاس آپ کیلئے امن، سلامتی، نیکی، احسان اور حسن جوار ہے۔ خدا اس پر شاہد ہے وہی اس

نے جواب دیا۔ "میں نے عزم کر لیا ہے، آج ہی کل میں روانہ ہوتا ہوں" ابن عباس رض بے اختیار پکار اٹھے "خدا آپ کی حفاظت کرے کیا آپ ایسے لوگوں میں جا رہے ہیں جنہوں نے اپنے امیر کو بے دست و پا کر دیا ہے؟ دشمن کو نکال دیا ہے اور ملک پر قبضہ حاصل کر لیا ہے؟ اگر وہ ایسا کر چکے ہیں تو شوق سے تشریف لے جائیے لیکن اگر ایسا نہیں ہوا ہے، حاکم بدستور ان کی گردن دبائے بیٹھا ہے، اس کے گماشتے برابر اپنی کارستانیاں کر رہے ہیں تو ان کا آپ کو بلانا درحقیقت جنگ کی طرف بلانا ہے۔ میں ڈرتا ہوں وہ آپ کو دھوکا نہ دیں، اور جب دشمن کو طاقتور دیکھیں تو خود آپ سے لڑنے کے لئے آمادہ نہ ہو جائیں" مگر آپ اس طرح کی باتوں سے متاثر نہ ہوئے اور اپنے ارادہ پر قائم رہے۔

ابن عباس کا جوش

جب روانگی کی گھڑی بالکل قریب آ گئی تو ابن عباس پھر دوڑے آئے۔ "اے ابن عم" انہوں نے بہ منت کہا "میں خاموش رہنا چاہتا تھا مگر خاموش رہا نہیں جاتا۔ میں آپ کی ہلاکت اور بربادی دیکھ رہا ہوں عراق والے دغا باز ہیں۔ ان کے قریب بھی نہ جائیے یہیں قیام کیجئے۔ کیونکہ یہاں حجاز میں آپ سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ اگر عراقی آپ کو بلاتے ہیں تو ان سے کہئے پہلے مخالفین کو اپنے علاقہ سے نکال دو۔ پھر مجھے بلاؤ۔ اگر آپ حجاز سے جانا ہی چاہتے ہیں تو یمن چلے جائیے وہاں قلعے اور دشوار گذار پہاڑ ہیں۔ ملک کشادہ ہے، آبادی عموماً آپ کے والد کی خیر خواہ ہے، وہاں آپ ان لوگوں کی دسترس سے باہر ہوں گے۔ خطوں اور قاصدوں کے ذریعے اپنی دعوت پھیلائیے گا۔ مجھے یقین ہے اس طرح آپ کامیاب ہو جائیں گے"۔

لیکن حضرت حسین رض نے جواب دیا "اے ابن عم! میں جانتا ہوں تم میرے خیر خواہ ہو لیکن اب میں عزم کر چکا ہوں"۔

ابن عباس نے کہا

"آپ نہیں رکتے تو عورتوں اور بچوں کو تو ساتھ نہ لے جائیے، مجھے اندیشہ ہے

راستے میں بھیڑ چھٹ گئی

راستہ میں لوگوں کی ایک بھیڑ آپ کے ساتھ ہو گئی تھی۔ یہ سمجھے تھے کہ کوفہ میں خوب آرام کریں گے۔ آپ ان کی حقیقت سے واقف تھے۔ سب کو جمع کر کے خطبہ دیا۔

"اے لوگو ہمیں نہایت دہشتناک خبر پہنچی ہے۔ مسلم بن عقیل ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن بقطر قتل کر ڈالے گئے۔ ہمارے طرفداروں نے ہمیں چھوڑ دیا۔ کوفہ میں ہمارا کوئی مددگار نہیں۔ جس کا جی چاہے ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہے چھوڑ دے۔ ہم ہرگز خفا نہ ہوں گے۔"

یہ خطبہ سنتے ہی لوگوں نے داہنے بائیں کھسکنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مکہ سے ساتھ چلے تھے۔

حر بن یزید کی آمد

ذو حسم سے ہو کر آگے بڑھے۔ عبیداللہ بن زیاد والی عراق کے عامل حصین بن نمیر تمیمی کی طرف سے حر بن یزید ایک ہزار فوج کے ساتھ نمودار ہوا اور ساتھ چلا۔ اسے حکم تھا کہ حضرت حسین کے ساتھ لگا رہے اور کسی وقت تک پیچھا نہ چھوڑے جب تک انہیں عبیداللہ بن زیاد کے روبرو نہ پہنچا دے۔ اسی منزل میں ظہر کا وقت آیا۔ آپ تہبند باندھے چادر اوڑھے نعلین پہنے تشریف لائے۔ حمد و ثنا کے بعد اپنے ساتھیوں اور حر کے سپاہیوں کے سامنے خطبہ دیا۔

خطبہ

"لوگو! خدا کے سامنے اور تمہارے سامنے میرا عذر یہ ہے کہ میں اپنی طرف سے یہاں نہیں آیا ہوں۔ میرے پاس تمہارے خطوط پہنچے، قاصد آئے۔ مجھے بار بار دعوت دی گئی کہ ہمارا کوئی امام نہیں، آپ آئیے تاکہ خدا ہمیں آپ کے ہاتھ پر جمع کر دے۔ اگر اب بھی تمہاری یہی حالت ہے تو میں آ گیا ہوں۔ اگر مجھ سے عہد و پیمان کرتے ہو جس سے میں مطمئن ہو جاؤں تو میں تمہارے شہر چلنے کو آمادہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں ہے بلکہ تم میری آمد سے ناخوش ہو تو میں وہیں واپس چلا جاؤں گا جہاں سے آیا ہوں

کا کفیل، نگہبان اور وکیل ہے۔ والسلام۔

مگر آپ بدستور اپنے ارادے پر جمے رہے (ابن جریر وغیرہ)

فرزدق سے ملاقاتیں

مکہ سے آپ عراق روانہ ہوگئے "صفاح" نامی مقام پر مشہور محب اہل بیت شاعر فرزدق سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے پوچھا "تیرے پیچھے لوگوں کا کیا حال ہے" فرزدق نے جواب دیا "ان کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر تلواریں بنو امیہ کے ساتھ ہیں" آپ نے فرمایا "سچ کہتے ہو۔ اب معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ ہے، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، ہمارا پروردگار ہر لمحہ کسی حکم فرمائی میں ہے اگر اس کی مشیت ہماری پسند کے مطابق ہوئی تو اس کی ستائش کریں گے۔ اگر امید کے خلاف ہوا تو بھی نیک نیتی اور تقویٰ کا ثواب کہیں نہیں گیا ہے"

یہ کہا اور سواری آگے بڑھائی۔

مسلم بن عقیل کے عزیزوں کی ضد

زرودنامی مقام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ آپ کے نائب مسلم بن عقیل کو کوفہ میں یزید کے گورنر عبیداللہ بن زیاد نے اعلانیہ قتل کردیا اور کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ آپ نے سنا تو بار بار انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھنا شروع کیا بعض ساتھیوں نے کہا۔

"اب بھی وقت ہے ہم آپ کے اور اہلبیت کے معاملہ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتے ہیں۔ للہ یہیں سے لوٹ چلئے۔ کوفہ میں آپ کا کوئی ایک بھی طرفدار اور مددگار نہیں ہے سب آپ کے خلاف کھڑے ہو جائیں گے"

آپ خاموش ہو گئے اور واپسی پر غور کرنے لگے مسلم بن عقیل کے عزیز کھڑے ہو گئے "واللہ ہم ہرگز نہ ٹلیں گے" انہوں نے کہا "ہم اپنا انتقام لیں گے یا اپنے بھائی کی طرح مر جائیں گے" اس پر آپ نے ساتھیوں کو نظر اٹھا کر دیکھا اور ٹھنڈی سانس لے کر فرمایا "ان کے بعد زندگی میں کوئی مزہ نہیں"

زبان پر برائی کے ساتھ نہیں آسکتا" آپ نے فرمایا پھر تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے کہا "میں آپ کو عبید اللہ بن زیاد کے پاس لے جانا چاہتا ہوں" آپ نے جواب دیا "تو واللہ میں تیرے ساتھ نہیں جاؤں گا" جب گفتگو زیادہ بڑھی تو حر نے کہا "مجھے آپ سے لڑنے کا حکم نہیں ملا ہے۔ مجھے صرف یہ حکم ملا ہے کہ آپ کا ساتھ نہ چھوڑوں یہانتک کہ آپ کو کوفہ پہنچا دوں۔ اگر آپ اسے منظور نہیں کرتے تو ایسا راستہ اختیار کیجئے جو نہ کوفہ کو جاتا ہو نہ مدینہ میں ابن زیاد کو لکھتا ہوں اگر آپ پسند کریں تو خود بھی یزید یا عبید اللہ کو لکھئے شاید میرے لئے کوئی مخلصی کی صورت پیدا کر دے اور آپ کے معاملہ میں امتحان سے بچ جاؤں"

یہ بات آپ نے منظور کر لی اور روانہ ہوئے (ابن جریر اور کامل وغیرہ)

ایک اور خطبہ

راستہ میں کئی اور مقامات پر بھی آپ نے دوستوں اور دشمنوں کو مخاطب کیا۔ مقام بیضہ میں یہ خطبہ دیا۔

"اے لوگو! رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے، جو کوئی ایسے حاکم کو دیکھے جو ظلم کرتا ہے خدا کی قائم کی ہوئی حدیں توڑتا ہے، عہد الٰہی شکست کرتا ہے اور دیکھنے والا دیکھنے پر بھی نہ تو اپنے فعل سے اس کی مخالفت کرتا ہے نہ اپنے قول سے۔ سو خدا ایسے لوگوں کو اچھا ٹھکانا نہیں بخشے گا۔ دیکھو یہ لوگ شیطان کے پیرو بن گئے ہیں، رحمٰن سے سرکش ہو گئے ہیں۔ فساد ظاہر ہے، حدودِ الٰہی معطل ہیں۔ مال غنیمت پر ناجائز قبضہ ہے۔ خدا کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام ٹھہرایا جا رہا ہے۔ میں ان کی سرکشی کو حق و عدل سے بدل دینے کا سب سے زیادہ حقدار ہوں۔ تمہارے بیشمار خطوط اور قاصد میرے پاس پیام بیعت لے کر پہنچے۔ تم عہد کر چکے ہو کہ نہ تو مجھ سے بیوفائی کرو گے نہ مجھے دشمنوں کے حوالہ کرو گے اگر تم اپنی اس بیعت پر قائم رہو تو یہ تمہارے لئے راہ ہدایت ہے کیونکہ میں حسین ابن علیؓ ابن فاطمہؓ رسول کا نواسہ ہوں۔ میری جان تمہاری جان کے ساتھ میرے بال بچے تمہارے بال بچوں کے ساتھ ہیں۔ مجھے اپنا نمونہ بناؤ اور مجھ سے گردن نہ موڑو۔ لیکن اگر تم ایسا نہ کرو بلکہ اپنا عہد توڑ

دشمنوں نے آپ کے پیچھے نماز پڑھی

کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ دیر تک خاموش رہنے کے بعد لوگ مؤذن سے کہنے لگے "اقامت کہو۔" حضرت حسینؑ نے حُر بن یزید سے کہا۔ "کیا تم علیحدہ نماز پڑھوگے؟" اس نے کہا "نہیں آپ امامت کریں ہم آپ ہی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔"

وہیں عصر کی نماز بھی پڑھی۔ دوست دشمن سب مقتدی تھے۔ سلام کے بعد آپ نے پھر خطبہ دیا۔

خطبہ

"اے لوگو! اگر تم تقویٰ پر ہو اور حقدار کا حق پہچانو۔ تو یہ خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ ہم اہلبیت ان دعیوں سے زیادہ حکومت کے حقدار ہیں۔ ان لوگوں کا کوئی حق نہیں۔ یہ تم پر ظلم وجور سے حکومت کرتے ہیں لیکن اگر تم ہمیں ناپسند کرو، ہمارا حق نہ پہچانو اور تمہاری رائے اس کے خلاف ہوگئی ہو جو تم نے مجھے اپنے خطوں میں لکھی اور قاصدوں کی زبانی پہنچائی تھی۔ تو میں واپس چلے جانے کے لئے بخوشی تیار ہوں۔"

اہل کوفہ کے خطوط

اس پر حُر نے کہا۔ "آپ کن خطوں کا ذکر کرتے ہیں؟ ہمیں ایسے خطوں کا کوئی علم نہیں" آپ نے عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ وہ دونوں تھیلے نکال لائے جن میں کوفہ والوں کے خط بھرے ہیں۔ عقبہ نے تھیلے انڈیل کر خطوں کا ڈھیر لگا دیا۔ اس پر حُر نے کہا۔ "لیکن ہم وہ نہیں ہیں جنہوں نے یہ خط لکھے تھے ہمیں تو یہ حکم ملا ہے کہ آپ کو عبیداللہ بن زیاد تک پہنچا کے چھوڑیں۔" حضرت امام نے فرمایا۔ "لیکن یہ موت سے پہلے ناممکن ہے۔"

آپ نے پھر روانگی کا حکم دیا لیکن مخالفین نے راستہ روک لیا۔ آپ نے خفا ہوکر حُر سے کہا۔ "تیری ماں تجھے روئے۔ تو کیا چاہتا ہے؟" حُر نے جواب دیا۔ "واللہ اگر آپ کے سوا کوئی اور عرب میری ماں کا نام زبان پر لاتا تو میں اسے بتا دیتا لیکن آپ کی ماں کا ذکر میری

ایک مرتبہ آپ نے غضبناک ہو کر فرمایا۔ مجھے تو موت سے ڈراتا ہے کیا تمہاری شقاوت اس حد تک پہنچ جائے گی کہ مجھے قتل کر دو گے؟ میں نہیں جانتا کہ تجھے کیا جواب دوں۔ لیکن میں وہی کہوں گا جو رسول اللہ کے ایک صحابی نے جہاد پر جاتے ہوئے اپنے بھائی کی دھمکی سن کر کہا تھا۔

"میں روانہ ہوتا ہوں مرد کے لئے موت ذلت نہیں ہے جبکہ اس کی نیت نیک ہو اور اسلام کی راہ میں جہاد کرنے والا ہو۔ اور جبکہ اپنی جان دے کر صالحین کا مددگار ہو اور ہلاک ہونے والوں سے جدا ہو رہا ہو"

چار کوفیوں کی آمد

عذیب الہجانات نام مقام پر کوفہ سے چار سوار آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ ان کے آگے طرماح بن عدی یہ اشعار پڑھ رہا تھا

یا ناقتی لا تذعری من زجری وشمری قبل طلوع الفجر

اے میری اونٹنی میری ڈانٹ سے ڈر نہیں۔ طلوع فجر سے پہلے ہمت سے چل

بخیر رکبان وخیر سفر حتی تحلی بکریم النجر

اچھے مسافروں کو لے کر جیسے شتر سوار ہیں۔ یہاں تک کہ شریف النسب آدمی تک پہنچ جا

الماجد الحر رحیب الصدر اتی بہ اللہ لخیر امر

وہ عزت والا ہے آزاد ہے فراخ سینہ ہے، خدا اسے سب اچھے کام کے لئے لایا ہے

ثمت ابقاہ بقاء الدھر خدا اسے ہمیشہ سلامت رکھے،

حضرت حسینؓ نے یہ شعر سنے تو فرمایا "واللہ مجھے بھی امید ہے کہ خدا کو ہمارے ساتھ بھلائی منظور ہے۔ چاہے قتل ہوں یا فتحیاب ہوں۔"

حُر بن یزید نے ان لوگوں کو دیکھا تو حضرت سے کہا "یہ لوگ کوفہ کے ہیں آپ کے ساتھی نہیں ہیں میں انہیں روکوں گا یا واپس کر دوں گا" آپ نے فرمایا تم وعدہ کر چکے ہو کہ ابن زیاد کا خط آنے سے پہلے مجھ سے تعرض نہیں کرو گے اگرچہ میرے ساتھ نہیں آئے

دو۔ اور اپنی گردن سے میری بیعت کا حلقہ نکال پھینکو تو یہ بھی تم سے بعید نہیں۔ تم میرے باپ بھائی اور عمزاد مسلم کے ساتھ ایسا ہی کر چکے ہو۔ وہ فریب خوردہ ہے جو تم پر بھروسہ کرے لیکن یاد رکھو تم نے اپنا ہی نقصان کیا ہے اور اب بھی اپنا ہی نقصان کرو گے۔ تم نے اپنا حصہ کھو دیا۔ اپنی قسمت بگاڑ دی جو بدعہدی کرے گا خود ہی اپنے خلاف بدعہدی کرے گا۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ۔

ایک اور تقریر

ایک دوسری جگہ یوں تقریر فرمائی:۔

"معاملہ کی جو صورت ہو گئی ہے تم دیکھ رہے ہو۔ دنیا نے اپنا رنگ بدل دیا۔ منہ پھیر لیا۔ نیکی سے خالی ہو گئی۔ ذرا تلچھٹ باقی ہے۔ حقیر سی زندگی رہ گئی ہے۔ ہولناکی نے احاطہ کر لیا ہے۔ افسوس تم دیکھتے نہیں کہ حق پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ باطل پر علانیہ عمل کیا جا رہا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کا ہاتھ پکڑے۔ وقت آ گیا ہے کہ مومن حق کی راہ میں لقائے الٰہی کی خواہش کرے۔ میں شہادت ہی کی موت چاہتا ہوں۔ ظالموں کے ساتھ زندہ رہنا بجائے خود ایک جرم ہے"

زہیر کا جواب

یہ خطبہ سن کر زہیر بن القین البجلی نے کھڑے ہو کر لوگوں سے کہا۔ تم بولو گے یا میں بولوں۔ سب نے کہا۔ تم بولو۔ زہیر نے تقریر کی۔

"اے فرزند رسول اللہ! خدا آپ کے ساتھ ہو۔ ہم نے آپ کی تقریر سنی۔ واللہ اگر دنیا ہمارے لئے ہمیشہ باقی رہنے والی ہو اور ہم سدا اس میں رہنے والوں میں ہوں جب بھی آپ کی حمایت و نصرت کے لئے اس کی جدائی گوارا کریں گے اور ہمیشہ کی زندگی پر آپ کے ساتھ مر جانے کو ترجیح دیں گے۔

حُر کی دھمکی کا جواب

حُر بن یزید آپ کے ساتھ۔ ساتھ چل رہا تھا۔ بار بار کہتا تھا۔ اے حسینؓ! اپنے معاملہ میں خدا کو یاد کیجئے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اگر آپ جنگ کریں گے تو ضرور قتل کر ڈالے جائیں گے

ایک عہد ہو چکا ہے۔ ہم اس کی موجودگی میں قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتے۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ہمارا ان کا معاملہ کس حد پر پہنچ کر ختم ہوگا۔"

خواب

اب آپ کو یقین ہو چلا تھا کہ موت کی طرف جا رہے ہیں۔ "قصر بنی مقاتل" نامی مقام سے کوچ کے وقت اونگھ گئے تھے۔ پھر چونک کر با واز بلند کہنے لگے: "انا للہ وانا الیہ راجعون۔ الحمد للہ رب العالمین" تین مرتبہ یہی فرمایا۔ آپ کے صاحبزادے علی نے عرض کیا۔ یہ انا للہ اور الحمد کیوں فرمایا؟ آپ نے جواب دیا۔

جانِ پدر! ابھی اونگھ گیا تھا خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ ایک سوار کہتا ہوا چلا جا رہا ہے "دو لوگ چلتے ہیں۔ موت ان کے ساتھ چلتی ہے" میں سمجھ گیا کہ یہ ہماری موت کی خبر ہے جو ہمیں سنائی جا رہی ہے۔ علی نے کہا خدا آپ کو روزِ بد نہ دکھلائے۔ کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ فرمایا بیشک ہم حق پر ہیں اس پر وہ کہہ اٹھے "اگر ہم حق پر ہیں تو موت کی کوئی پرواہ نہیں۔"

یہ وہی صاحبزادے ہیں جو میدان کربلا میں شہید ہوئے اور علی الاکبر کے لقب سے مشہور ہیں۔ (ابن جریر، شرح نہج البلاغۃ امالی سید مرتضٰی وغیرہ ذالک)

ابن زیاد کا خط

صبح آپ پھر سوار ہوئے اپنے ساتھیوں کو پھیلانا شروع کیا۔ مگر حُر ابن یزید انہیں پھیلنے سے روکتا تھا۔ باہم دیر تک کشمکش جاری رہی آخر کوفہ کی طرف سے ایک سوار آتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ ہتھیار بند تھا حضرت حسین کی طرف سے اس نے منہ پھیر لیا مگر حُر کو سلام کیا اور ابن زیاد کا خط پیش کیا۔ خط کا مضمون یہ تھا۔

"حسین کو کہیں ٹکنے نہ دو۔ کھلے میدان کے سوا کہیں اترنے نہ پائے۔ قلعہ بند یا شاداب مقام میں پڑاؤ نہ ڈال سکے میرا یہ قاصد تمہارے ساتھ رہیگا اور دیکھتا رہے گا کہ تم کہاں تک میرے حکم کی تعمیل کرتے ہو۔"

حُر نے خط کے مضمون سے حضرت امام کو آگاہ کیا اور کہا اب میں مجبور ہوں آپ کو بے آب و گیاہ میدان ہی میں اترنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ زہیر بن القین نے حضرت سے عرض کیا۔

لیکن میرے ہی ساتھی ہیں اگر ان سے چھیڑ چھاڑ کرو گے تو میں تم سے لڑوں گا یہ سن کر حُر خاموش ہو گیا۔

کوفہ والوں کی حالت

آنے والوں سے آپ نے پوچھا لوگوں کو کس حال میں چھوڑ آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا "شہر کے سرداروں کو رشوتیں دیکر ملا لیا گیا ہے عوام کے دل آپ کے ساتھ ہیں مگر ان کی تلواریں کل آپ کیخلاف نیام سے باہر نکلینگی"

آپ کے قاصد کا قتل

اس سے پہلے آپ قیس بن مسہر کو بطور قاصد کے کوفہ بھیج چکے تھے۔ عبید اللہ بن زیاد نے ان کو قتل کر ڈالا تھا۔ مگر آپ کو اطلاع نہ تھی۔ ان لوگوں سے قاصد کا حال پوچھا۔ انہوں نے سارا واقعہ بیان کیا۔ آپ کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں اور فرمایا۔ منھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلاً۔ بعض ان میں سے مر چکے ہیں اور بعض موت کا انتظار کر رہے ہیں مگر حق پر ثابت قدم ہیں۔ اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے۔ خدایا ہمارے لئے اور ان کے لئے جنت کی راہ کھول دے اپنی رحمت اور ثواب کے دار القرار میں ہمیں اور انہیں جمع کر۔

طرماح بن عدی کا مشورہ

طرماح بن عدی نے کہا۔ واللہ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا ہوں مگر آپ کے ساتھ کوئی نہیں دکھائی دیتا۔ اگر صرف یہی لوگ ٹوٹ پڑیں جو آپ کے پیچھے لگے ہوئے ہیں تو خاتمہ ہو جائے میں نے اتنا بڑا انبوہ آدمیوں کا کوفہ کے عقب میں دیکھا ہے جتنا کسی ایک مقام پر کبھی نہیں دیکھا تھا۔ یہ سب اس لئے جمع کئے گئے ہیں کہ ایک حسین سے لڑیں۔ میں آپ کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ اگر ممکن ہو تو آپ ایک بالشت بھی آگے نہ بڑھئے اگر آپ چاہتے ہیں کہ ایسی جگہ پہنچ جائیں جہاں دشمنوں سے بالکل امن ہو تو میرے ساتھ چلئے میں اپنے پہاڑ "اجا" میں آپکو اتارونگا واللہ وہاں دس دن بھی نہ گذریں گے کہ قبیلہ طے کے بیس ہزار بہادر تلواریں لئے آپ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ واللہ جب تک ان کے دم میں دم رہیگا آپ کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر نہ دیکھ سکیگا۔ آپ نے جواب دیا "خدا انہیں جزائے خیر دے لیکن ہمارے اور ان کے درمیان

پانی پر تصادم

عمر بن سعد نے پانسو سپاہی گھاٹ کی حفاظت کے لئے بھیج دیئے آپ اور آپ کے ساتھیوں پر پانی بند ہو گیا۔ اس پر آپ نے اپنے بھائی عباس بن علی کو حکم دیا کہ ۳۰ سوار اور ۲۰ پیدل لیکر جائیں اور پانی بھر لائیں یہ پہنچے تو محافظ دستے عمر بن الحجاج نے روکا۔ باہم مقابلہ ہوا لیکن آپ ۲۰ مشکیں پانی کی بھر لائے۔

عمر بن سعد سے ملاقات

شام کو حضرت حسینؓ نے عمر بن سعد کو کہلا بھیجا۔ آج رات مجھ سے ملاقات کرو۔ چنانچہ دونوں ۲۰، ۲۰ سوار لے کر نکلے اور ایک مقام پر ملے۔ تخلیہ میں بہت رات گئے تک باتیں ہوتی رہیں۔ راوی کہتا ہے کہ گفتگو کا کسی کو علم نہیں لیکن لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ حضرت امامؓ نے عمر سے کہا تھا۔ ہم تم دونوں اپنے اپنے لشکر یہیں چھوڑ کر یزید کے پاس روانہ ہو جائیں۔ عمر نے کہا اگر میں ایسا کروں گا تو میرا گھر کھدوا ڈالا جائیگا۔ آپ نے فرمایا میں بنا دوں گا۔ عمر نے کہا میری تمام جائداد ضبط کر لی جائے گی۔ آپ نے فرمایا میں اپنی حجاز کی جائداد سے اس کا معاوضہ دونگا مگر عمر نے منظور نہیں کیا۔

تین شرطیں

اس کے بعد بھی تین چار مرتبہ باہم ملاقاتیں ہوئیں آپ نے تین صورتیں پیش کی تھیں (۱) مجھے واپس لوٹ جانے دو جہاں سے آیا ہوں (۲) مجھے خود یزید سے اپنا معاملہ طے کر لینے دو (۳) مجھے مسلمانوں کی کسی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں کے لوگوں پر جو گذرتی ہے وہی مجھ پر بھی گذرے گی۔

بار بار گفتگو کے بعد عمر بن سعد نے ابن زیاد کو یہ خط لکھا:

عمر کا خط

"خدا نے فتنہ ٹھنڈا کر دیا۔ پھوٹ دور کر دی۔ اتفاق پیدا کر دیا۔ امت کا معاملہ درست کر دیا۔ حسینؓ مجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک کے لئے تیار ہیں۔ اس میں تمہارے لئے بھی بھلائی ہے۔"

شمر کی مخالفت

ابن زیاد نے خط پڑھا تو متاثر ہو گیا۔ عمر بن سعد کی تعریف کی اور کہا "میں نے منظور کیا"، مگر شمر بن ذوالجوشن نے مخالفت کی اور کہا حسین

"ان لوگوں سے لڑنا اس فوج گراں سے لڑنے کے مقابلہ میں کہیں آسان ہے جو بعد میں آئے گی" مگر آپ نے یہ کہہ کر اس سے انکار کر دیا "میں اپنی طرف سے لڑائی میں پہل نہیں کروں گا"۔ زہیر نے کہا "تو پھر اس سامنے کے گاؤں میں چل کر اتریے جو فرات کے کنارے ہے اور قلعہ بند ہو جائیے" آپ نے پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ زہیر نے کہا "عقر" (عقر کے معنی کاٹنا بے ثمر و بے نتیجہ ہونا) یہ سن کر آپ منقبض ہو گئے اور کہا "عقر سے خدا کی پناہ"

کربلا میں ورود

آخر آپ ایک اجاڑ سرزمین میں جا کر اتر پڑے۔ پوچھا "اس سرزمین کا نام کیا ہے؟" معلوم ہوا "کربلا" آپ نے فرمایا یہ کرب اور بلا ہے۔ یہ مقام پانی سے دور تھا دریا اور اس میں ایک پہاڑی حائل تھی۔ یہ واقعہ ۲ محرم ۶۱ھ کا ہے۔

عمر بن سعد کی آمد

دوسرے دن عمر بن سعد بن ابی وقاص کوفہ والوں کی چار ہزار فوج لیکر آ پہنچا۔ عبید اللہ بن زیاد نے عمر کو زبردستی بھیجا تھا عمر کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح اس امتحان سے بچ نکلے اور معاملہ رفع دفع ہو جائے۔ اس نے آتے ہی حضرت حسینؓ کے پاس قاصد بھیجا اور دریافت کیا آپ کیوں تشریف لائے ہیں؟ آپ نے وہی جواب دیا جو حر بن یزید کو دے چکے تھے "تمہارے اس شہر کے لوگوں ہی نے مجھے بلایا تھا۔ اب اگر وہ مجھے ناپسند کرتے ہیں تو میں واپس جانے کے لئے تیار ہوں۔"

ابن زیاد کی سختی

عمر بن سعد کو اس جواب سے خوشی ہوئی اور امید بندھی کہ مصیبت ٹل جائے گی۔ چنانچہ فوراً عبید اللہ بن زیاد کو خط لکھا۔ خط پڑھ کر ابن زیاد نے کہا۔

"اب وہ ہمارے پھندے میں آ پھنسے ہیں چاہتا ہے کہ نجات پائے مگر اب واپسی اور نکل بھاگنے کا وقت نہیں۔"

پھر جواب لکھا "حسینؓ سے کہو پہلے اپنے تمام ساتھیوں کے ساتھ یزید بن معاویہ کی بیعت کریں۔ پھر ہم دیکھیں گے ہمیں کیا کرنا چاہئے۔ حسینؓ اور ان کے ساتھیوں تک پانی نہ پہنچنے پائے۔ وہ پانی کا قطرہ بھی نہ پینے پائیں جس طرح عثمانؓ بن عفان پانی سے محروم رہے تھے۔"

کو بلا کر کہا۔ "تم میری ددھیالی ہو میں نے تمہارے لئے امن و سلامتی کا سامان کر لیا ہے"۔ لیکن انہوں نے جواب دیا، افسوس تم پر، تم ہمیں تو امان دیتے ہو لیکن فرزند رسولؐ کے لئے امان نہیں ہے۔

شمر نے ابن سعد کو حاکم کوفہ کا خط پہنچا دیا۔ اور وہ طوعاً و کرہاً بخوف عزل آمادۂ تعمیل ہو گیا

فوج کی ابتدائی حرکت

نماز عصر کے بعد عمر بن سعد نے اپنے لشکر کو حرکت دی جب قریب پہنچا۔ تو حضرت عباسؓ بیس سواروں کے ساتھ نمودار ہوئے۔ عمر نے ان سے کہا۔ اب ابن زیاد کا جواب آ گیا ہے۔ اور اس کا مضمون پڑھ کر سنا دیا۔ عباس واپس لوٹے کہ حضرت حسینؓ کو اس کی اطلاع دیں۔ اس اثنا میں فریقین کے بعض پُرجوش آدمیوں میں جو رد و کد ہوئی اسے راویوں نے محفوظ رکھا ہے۔

دونوں فوجوں میں زبانی ردّ و کد

حضرت امامؓ کے طرف داروں سے حبیب بن مظاہر نے کہا۔ "خدا کی نظر میں بدترین لوگ وہ ہیں جو اس کے حضور میں اس حالت میں پہنچیں گے کہ اس کے نبی کی اولاد اور اس شہر (کوفہ) کے تہجد گذار عابدوں کے خون سے ان کا ہاتھ رنگین ہوگا"

ابن سعد کی فوج میں سے عروہ بن قیس نے جواب دیا۔ "شاباش! اپنی خوب بڑائی کرو پیٹ بھر کے اپنی پاکی کا اعلان کرو۔"

زہیر بن القین نے کہا۔ "اے عروہ! خدا ہی نے ان نفسوں کو پاک کر دیا ہے اور ہدایت کی راہ دکھائی ہے۔ خدا سے ڈر اور ان پاک نفسوں کے قتل میں گمراہی کا مددگار نہ بن۔"

عروہ نے جواب دیا۔ "اے زہیر! تم اس خاندان کے حامی نہ تھے۔ کیا آج سے پہلے تک تم عثمانی (حضرت عثمانؓ کے حامی) نہ تھے؟"

زہیر نے کہا۔ ہاں یہ سچ ہے۔ میں نے حسینؓ کو کبھی کوئی خط نہیں لکھا۔ نہ کبھی کوئی قاصد بھیجا۔ لیکن سفر نے ہم دونوں کو یہاں جمع کر دیا ہے۔ میں نے انہیں دیکھا تو رسول اللہؐ یاد آ گئے اور رسول اللہؐ کی ان سے محبت یاد آ گئی۔ میں نے دیکھا یہ کتنے قوی دشمن کے سامنے

قبضہ میں آ چکے ہیں، اگر بغیر آپ کی اطاعت کے نکل گئے۔ تو عجب نہیں عزت و قوت حاصل کرلیں اور آپ کمزور عاجز قرار پائیں۔ بہتر یہی ہے کہ اب انہیں قابو سے نکلنے نہ دیا جائے۔ جب تک وہ آپ کی اطاعت نہ کرلیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ حسین اور عمر رات بھر باہم سرگوشیاں کیا کرتے ہیں۔

ابن زیاد کا جواب

ابن زیاد نے یہ رائے پسند کر لی اور شمر کو خط دے کر بھیجا۔ خط کا مضمون یہ تھا کہ اگر حسین معہ اپنے ساتھیوں کے اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کردیں تو لڑائی نہ لڑی جائے اور انہیں صحیح سالم میرے پاس بھیج دیا جائے لیکن اگر یہ بات منظور نہ کریں تو پھر جنگ کے سوا چارہ نہیں۔ شمر سے کہہ دیا کہ اگر عمر بن سعد نے میرے حکم پر ٹھیک ٹھیک عمل کیا۔ جب تو تم اس کی اطاعت کرنا۔ ورنہ اسے ہٹا کر خود فوج کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لینا اور حسین کا سر کاٹ کر میرے پاس بھیج دینا

ابن زیاد کے اس خط میں عمر کو سخت تہدید بھی کی گئی تھی۔ میں نے تمہیں اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ حسین کو بچاؤ۔ اور میرے پاس سفارشیں بھیجو۔ دیکھو میرا حکم صاف ہے اگر وہ اپنے آپ کو حوالہ کردیں تو صحیح سالم میرے پاس بھیج دو لیکن اگر انکار کریں تو پھر بے تامل حملہ کرو۔ خون بہاؤ۔ لاش بگاڑ دو۔ کیونکہ وہ باغی ہیں اور جماعت سے نکل گئے ہیں۔ اگر تم نے میرے حکم کی تعمیل کی تو انعام و اکرام کے مستحق ہو گے مگر نافرمانی کی تو معزول کئے جاؤ گے (ابن جریر وغیرہ)

شمر ذی الجوشن اور حضرت حسینؓ

شمر ذی الجوشن کے متعلق یاد رکھنا چاہئے کہ اس کی پھوپھی ام البنین بنت حرام امیر المومنین علیہ السلام کی زوجیت میں تھیں اور ان ہی کے بطن سے ان کے چار صاحبزادے عباس، عبداللہ، جعفر اور عثمان پیدا ہوئے تھے۔ جو اس معرکہ میں امام حسین کے ساتھ تھے اس طرح شمر ان چاروں کا اور ان کے واسطہ سے حضرت امام کا پھوپھیرا بھائی تھا۔ اس نے ابن زیاد سے درخواست کی تھی کہ اس کے ان عزیزوں کو امان دے دی جائے اور اس نے منظور کر لیا تھا۔ چنانچہ میدان میں چاروں صاحبزادوں

قتل کافی ہے تم چلے جاؤ۔ میں نے تمہیں اجازت دی۔ وہ کہنے لگے "لوگ کیا کہیں گے۔ یہی کہیں گے کہ ہم اپنے شیخ، سردار اور عم زادوں کو چھوڑ کر بھاگ آئے۔ ہم نے ان کے ساتھ نہ کوئی تیر پھینکا نہ نیزہ چلایا۔ نہ تلوار گھمائی۔ نہیں، واللہ یہ ہرگز نہیں ہوگا۔ ہم تو آپ پر اپنی جان، مال، آل اولاد سب کچھ قربان کر دیں گے۔ آپ کے بعد خدا ہمیں زندہ نہ رکھے۔

آپ کے ساتھی بھی کھڑے ہو گئے۔ مسلم بن عوسجہ اسدی نے کہا:۔

"کیا ہم آپ کو چھوڑ دیں گے؟ حالانکہ اب تک آپ کا حق ادا نہیں کر سکے ہیں۔ واللہ نہیں ہرگز نہیں۔ میں اپنا نیزہ ان دشمنوں کے سینے میں توڑ دوں گا۔ جب تک قبضہ ہاتھ میں رہے گا تلوار چلاتا رہوں گا۔ نہتا ہو جاؤں گا تو پتھر پھینکوں گا۔ یہاں تک کہ موت میرا خاتمہ کر دے۔"

سعد بن عبداللہ الحنفی نے کہا۔ واللہ ہم آپ کو اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک خدا جان نہ لے کہ ہم نے رسول اللہ کا حق محفوظ رکھا۔ واللہ اگر مجھے معلوم ہو کہ میں قتل ہو جاؤں گا، آگ میں بھونا جاؤں گا۔ پھر میری خاک ہوا میں اڑا دی جائیگی اور ایسا ایک مرتبہ نہیں ستر مرتبہ مجھ سے یہی سلوک کیا جائے گا۔ پھر بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ یہاں تک کہ آپ کی حمایت میں فنا ہو جاؤں"

زہیر بن القین نے کہا۔ بخدا اگر میں ایک ہزار مرتبہ بھی آرے سے چیرا جاؤں تو بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ خوشا نصیب! اگر میرے قتل سے آپ کی اور آپ کے اہل بیت کے ان نونہالوں کی جانیں بچ جائیں۔ (ابن جریر، کامل، نہج البلاغۃ وغیرہا)

حضرت زینبؑ کی بے چینی اور آپ کا توصیۂ صبر

حضرت زین العابدینؑ سے روایت ہے کہ جس رات کی صبح میرے والد شہید ہوئے ہیں میں بیٹھا تھا۔ اور میری پھوپھی زینبؑ میری تیمارداری کر رہی تھیں۔ اچانک میرے والد نے خیمہ میں اپنے ساتھیوں کو طلب کیا۔ اس

جا رہے ہیں۔ خدا نے میرے دل میں ان کی محبت ڈال دی ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا۔ میں ان کی مدد کروں گا۔ اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے اس حق کی حفاظت کروں گا جس کو تم نے ضائع کر دیا ہے۔

امام حسینؑ کو جب ابن زیاد کے خط کا مضمون معلوم ہوا تو انہوں نے کہا۔ "اگر ممکن ہو تو آج انہیں ٹال دو تاکہ آج رات کو اپنے رب کی نماز پڑھ لیں۔ اس سے دعا کریں۔ مغفرت مانگیں کیونکہ وہ جانتا ہے۔ میں اس کی عبادت کا دل دادہ، اس کی کتاب پڑھنے والا، اس سے بہت دعا استغفار کرنے والا ہوں" چنانچہ یہی جواب دیا۔ اور فوج واپس ہو گئی۔ (ابن جریر، یعقوبی)

آپ کی حسرت اور اصحاب کی وفاداری

فوج کی واپسی کے بعد رات کو آپ نے ساتھی جمع کئے اور خطبہ دیا۔

"خدا کی حمد و ستائش کرتا ہوں۔ رنج و راحت ہر حال میں اس کا شکر گذار ہوں۔ الٰہی! تیرا شکر تو نے ہمارے گھر کو نبوت سے مشرف فرمایا۔ قرآن کا فہم عطا کیا۔ دین میں سمجھ بخشی اور ہمیں دیکھنے سننے اور عبرت پکڑنے کی قوتوں سے سرفراز کیا۔ اما بعد۔ لوگو! میں نہیں جانتا آج روئے زمین پر میرے ساتھیوں سے افضل اور بہتر لوگ موجود ہیں یا میرے اہل بیت سے زیادہ ہمدرد و غمگسار۔ اے لوگو! تم سب کو اللہ میری طرف سے جزائے خیر دے! میں سمجھتا ہوں کل میرا ان کا فیصلہ ہو جائیگا۔ غور و فکر کے بعد میری رائے یہ ہے کہ تم سب خاموشی کے ساتھ نکل جاؤ۔ میں خوشی سے تمہیں رخصت کرتا ہوں۔ میری طرف سے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ یہ لوگ صرف مجھے چاہتے ہیں۔ میری جان پا کر تم سے غافل ہو جائیں گے۔

یہ سن کر آپ کے اہل بیت بہت رنجیدہ اور بےچین ہوئے۔ حضرت عباس نے کہا:۔

یہ کیوں؟ کیا اس لئے کہ ہم آپ کے بعد زندہ رہیں۔ خدا ہمیں وہ دن نہ دکھائے حضرت نے مسلم بن عقیل کے رشتہ داروں سے کہا۔" اے اولاد عقیل! مسلم کا

اور توکل و رضا کی تعلیم دیتا ہے۔ چاہئے کہ کسی حال میں بھی اس سے منحرف نہ ہوں (یعقوبی وابن جریر)

پوری رات عبادت و تلاوت میں گذری

پوری رات آپ نے اور آپ کے ساتھیوں نے نماز استغفار اور دعا و تضرع میں گذاری۔ راوی کہتا ہے۔ دشمن کے سوار رات بھر ہمارے لشکر کے گرد چکر لگاتے رہے حضرت حسینؓ بلند آواز سے یہ آیت پڑھ رہے تھے۔

الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما ولھم عذاب مھین ما کان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیہ حتی یمیز الخبیث من الطیب	دشمن یہ خیال نہ کریں کہ ہماری ڈھیل ان کے لئے بھلائی ہے ہم صرف اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ ان کا جرم اور زیادہ ہو جائے خدا مومنوں کو اسی حالت میں چھوڑ رکھنے والا نہیں ہے۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر دیگا۔

دشمن کے ایک سوار نے یہ آیت سنی تو چلا کر کہنے لگا "قسم ہے رب کعبہ کی ہم ہی طیب ہیں اور تم سے الگ کر دیئے گئے ہیں"

عشرہ کی صبح

جمعہ یا سنیچر کے دسویں محرم کی نماز فجر کے بعد عمر بن سعد اپنی فوج لے کر نکلا حضرت حسینؓ نے بھی اپنے اصحاب کی صفیں قائم کیں ان کے ساتھ صرف ۳۲ سوار ۴۰ پیدل کل ۷۲ آدمی تھے۔ میمنہ پر زہیر بن لقین کو مقرر کیا۔ میسرہ حبیب بن مظاہر کے سپرد کیا علم اپنے بھائی عباس بن علی کے ہاتھ میں دیا۔ خیموں کے پیچھے خندق کھود کر اس میں بہت سا ایندھن ڈھیر کر دیا گیا۔ اور آگ جلا دی گئی تاکہ دشمن پیچھے سے حملہ آور نہ ہو سکے۔

شمر کی یاوہ گوئی

فوج سے شمر بن ذی الجوشن گھوڑا دوڑاتا نکلا۔ آپ کے لشکر کے گرد پھرا اور آگ دیکھ کر چلایا۔ اے حسینؓ! قیامت سے پہلے ہی تو

وقت خیمہ میں ابوذر غفاری کے غلام "حوی" تلوار صاف کر رہے تھے اور میرے والد یہ شعر پڑھ رہے تھے۔

یا دھر اف لک من خلیل کم لک بالاشراق والاصیل

اے زمانہ تیرا بُرا ہو، تو کیسا بے وفا دوست ہے۔ صبح اور شام تیرے ہاتھوں

من صاحب او طالب قتیل والدھر لا یقنع بالبدیل

کتنے مارے جاتے ہیں، زمانہ کسی کی رعایت نہیں کرتا۔ کسی سے عوض قبول نہیں

وانما الامر الی الجلیل وکل حی سالک السبیل

کرتا۔ اور سارا معاملہ اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ ہر زندہ موت کی راہ پر چلا جا رہا ہے۔

تین چار مرتبہ آپ نے یہی شعر دہرائے۔ میرا دل بھر آیا۔ آنکھیں ڈبڈبا گئیں مگر میں نے آنسو روک لئے۔ میں سمجھ گیا کہ مصیبت ٹلنے والی نہیں۔ میری پھوپھی نے یہ شعر سنے تو وہ بے قابو ہو گئیں۔ بے اختیار دوڑتی ہوئی آئیں اور شیون و فریاد کرنے لگیں۔

حضرت امام نے یہ حالت دیکھی تو فرمایا۔ اے بہن یہ کیا حال ہے؟ کہیں ایسا نہ ہو کہ نفس و شیطان کی بے صبریاں ہمارے ایمان و استقامت پر غالب آجائیں۔

انہوں نے روتے ہوئے کہا۔ کیونکر اس حالت پر صبر کیا جا سکے کہ آپ اپنے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں؟ آپ نے کہا "مشیت کا ایسا ہی فیصلہ ہے" اس پر ان کی بے قراریاں اور بڑھ گئیں۔ اور شدتِ غم سے بے حال ہو گئیں۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے ایک طوفانی تقریر صبر و استقامت پر فرمائی۔ آپ نے کہا۔ بہن! خدا سے ڈرو خدا کی تعریف سے تسلی حاصل کرو موت دنیا میں ہر زندگی کے لئے ہے۔ آسمان والے بھی ہمیشہ جیتے نہ رہیں گے۔ ہر چیز فنا ہونے والی ہے پھر موت کے خیال سے اس قدر رنج و بیقراری کیوں ہے؟ دیکھو ہمارے لئے اور ہر مسلمان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ یہ نمونہ ہمیں کیا سکھلاتا ہے۔ یہ ہمیں ہر حال میں صبر و ثبات

کرآئیں اور کہا "ابھی انہیں بہت رونا باقی ہے" پھر بے اختیار پکار اٹھے "خدا عباس کی عمر دراز کرے" یعنی حضرت عبداللہ ابن عباس کی۔ راوی کہتا ہے۔ یہ جملہ اس لئے آپ کی زبان سے نکل گیا کہ مدینہ میں عبداللہ ابن عباس نے عورتوں کو ساتھ لے جانے سے منع کیا تھا مگر آپ نے اس پر توجہ نہ کی تھی۔ اب ان کا جزع فزع دیکھا تو عبداللہ بن عباس کی بات یاد آگئی پھر آپ نے از سر نو تقریر شروع کی۔

"لوگو! میرا حسب نسب یاد کرو۔ سوچو میں کون ہوں؟ پھر اپنے گریبانوں میں منہ ڈالو۔ اور اپنے ضمیر کا محاسبہ کرو، خوب غور کرو، کیا تمہارے لئے میرا قتل کرنا اور میری حرمت کا رشتہ توڑنا روا ہے؟ کیا میں تمہارے نبیؐ کی لڑکی کا بیٹا اور اس کے عم زاد کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا سید الشہدا حمزہ میرے باپ کے چچا نہیں تھے؟ کیا ذوالجناحین جعفر الطیار میرے چچا نہیں ہیں؟ کیا تم نے رسول اللہ کا یہ مشہور قول نہیں سنا کہ آپ میرے اور میرے بھائی کے حق میں فرماتے ہیں "سید شباب اھل الجنۃ" (جنت میں نوعمروں کے سردار) اگر میرا یہ بیان سچا ہے اور ضرور سچا ہے، کیونکہ واللہ میں نے ہوش سنبھالنے کے بعد سے لے کر آج تک کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ تو بتلاؤ کیا تمہیں برہنہ تلواروں سے میرا استقبال کرنا چاہئے؟ اگر تم میری بات کا یقین نہیں کرتے تو تم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن سے تصدیق کر سکتے ہو۔ جابر بن عبداللہ انصاریؓ سے پوچھو ابوسعید خدریؓ سے پوچھو، سہل بن سعد ساعدیؓ سے پوچھو۔ زید ارقمؓ سے پوچھو، انس بن مالکؓ سے پوچھو۔ وہ تمہیں بتائیں گے کہ انہوں نے میرے اور میرے بھائی کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے یا نہیں؟ کیا یہ بات بھی تمہیں میرا خون بہانے سے نہیں روک سکتی؟ واللہ اس وقت روئے زمین پر بجز میرے کسی نبی کی لڑکی کا بیٹا موجود نہیں ہیں تمہارے

نے آگ قبول کر لی ہے" حضرتؑ نے جواب دیا "اے چرواہے کے لڑکے! تو ہی آگ کا زیادہ مستحق ہے" مسلم بن عوسجہ نے عرض کیا۔ مجھے اجازت دیجئے! اسے تیر مار کر ہلاک کر ڈالوں کیونکہ بالکل زد پر ہے۔ حضرتؑ نے منع کیا۔ نہیں میں لڑائی میں پہل نہیں کروں گا۔

دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے دشمن کا رسالہ آگے بڑھتے دیکھ کر آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ "الٰہی! ہر مصیبت میں تجھ ہی پر میرا بھروسہ ہے۔ ہر سختی میں تو ہی میرا پشت پناہ ہے۔ کتنی مصیبتیں پڑیں۔ دل کمزور ہو گیا۔ تدبیر نے جواب دے دیا۔ دوست نے بیوفائی کی۔ دشمن نے خوشیاں منائیں مگر میں نے صرف تجھی سے التجا کی۔ اور تو نے ہی میری دستگیری کی۔ تو ہی ہر نعمت کا مالک ہے تو ہی احسان والا ہے۔ آج بھی تجھی سے التجا کی جاتی ہے (شرح نہج البلاغہ)

دشمن کے سامنے خطبہ جب دشمن قریب آگیا۔ تو آپ نے اونٹنی طلب کی سوار ہوئے قرآن سامنے رکھا اور دشمن کی صفوں کے سامنے کھڑے ہو کر بلند آواز سے یہ خطبہ دیا۔

"لوگو! میری بات سنو! جلدی نہ کرو۔ مجھے نصیحت کر لینے دو۔ اپنا عذر بیان کرنے دو۔ اپنی آمد کی وجہ کہنے دو۔ اگر میرا عذر معقول ہو اور تم اسے قبول کر سکو اور میرے ساتھ انصاف کرو۔ تو یہ تمہارے لئے خوش نصیبی کا باعث ہوگا۔ اور تم میری مخالفت سے باز آجاؤ گے۔ لیکن اگر سننے کے بعد بھی تم میرا عذر قبول نہ کرو اور انصاف کرنے سے انکار کر دو۔ تو پھر مجھے کسی بات سے بھی انکار نہیں ہے تم اور تمہارے سارے ساتھی ایکا کر لو۔ مجھ پر ٹوٹ پڑو۔ مجھے ذرا بھی مہلت نہ دو۔ میرا اعتماد ہر حال میں صرف پروردگار عالم پر ہے۔ اور وہ نیکوکاروں کا حامی ہے"

اہل بیت نے یہ کلام سنا تو شدت تاثر سے بے اختیار ہو گئیں اور خیمہ سے آہ و بکا کی صدا بلند ہوئی۔ آپ نے اپنے بھائی عباس اور اپنے فرزند علی کو بھیجا تا کہ انہیں خاموش

عذاب الٰہی سے ڈرو۔ ہر مسلمان پر اپنے بھائی کو نصیحت کرنا فرض ہے۔ دیکھو اس وقت تک ہم سب بھائی ہیں۔ ایک ہی دین اور ایک ہی طریقہ پر قائم ہیں۔ جب تک تلواریں نیام سے نہیں نکلتیں تم ہماری نصیحت اور خیرخواہی کے سزاوار حقدار رہو۔ لیکن تلوار کے درمیان لاتے ہی باہمی حرمت ٹوٹ جائے گی۔ اور ہم تم الگ الگ دو گروہ ہو جائیں گے دیکھو خدا نے ہمارا اور تمہارا اپنے نبی کی اولاد کے بارے میں امتحان لینا چاہا ہے۔ ہم تمہیں اہلبیت کی نصرت کی طرف بلاتے اور سرکش عبید اللہ بن زیاد کی مخالفت پر دعوت دیتے ہیں۔ یقین کرو، ان حاکموں سے کبھی تمہیں کوئی بھلائی حاصل نہ ہوگی۔ یہ تمہاری آنکھیں پھوڑیں گے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے۔ تمہارے چہرے بگاڑیں گے۔ تمہیں درختوں کے تنوں پر پھانسی دیں گے اور نیکوکاروں کو چن چن کر قتل کریں گے بلکہ وہ تو کب کا کر بھی چکے ہیں۔ ابھی حجر بن عدیؓ، ہانی بن عروہ وغیرہ کے واقعات اتنے پرانے نہیں ہوئے کہ تمہیں یاد نہ رہے ہوں"

کوفیوں نے یہ تقریر سنی تو زہیر کو برا بھلا کہنے لگے اور ابن زیاد کی تعریفیں کرنے لگے "بخدا ہم اس وقت تک نہیں ٹلیں گے۔ جب تک حسین اور ان کے ساتھیوں کو قتل نہ کرلیں یا انہیں امیر کے روبرو حاضر نہ کر دیں" یہ ان کا جواب تھا۔

زہیر نے جواب دیا۔ "خیر! اگر فاطمہؓ کا بیٹا سمیہ کے چھوکرے (یعنی ابن زیاد) سے کہیں زیادہ تمہاری حمایت و نصرت کا مستحق نہیں تو کم از کم اولاد رسول کا اتنا پاس تو کرو کہ اسے قتل نہ کرو۔ اسے اور اس کے عم زاد یزید بن معاویہ کو چھوڑ دو۔ تاکہ آپس میں اپنا معاملہ طے کرلیں میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یزید کو خوش کرنے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تم حسین کا خون بہاؤ" (ابن جریر و شرح نہج البلاغۃ)

حر بن یزید کی موافقت

عدی بن حرملہ سے روایت ہے کہ ابن سعد نے جب فوج کو حرکت دی۔ تو حر بن یزید نے کہا۔

نبی کا بلاواسطہ نواسہ ہوں۔ مجھے کس لئے ہلاک کرنا چاہتے ہو۔ کیا میں نے کسی کی جان لی ہے؟ کسی کا خون بہایا ہے؟ کسی کا مال چھینا ہے؟ کہو کیا بات ہے؟ آخر میرا قصور کیا ہے؟

کوفہ والوں کا جواب

آپ نے بار بار پوچھا مگر کسی نے جواب نہیں دیا۔ آخر آپ نے بڑے کوفیوں کو نام لے کر پکارنا شروع کیا۔ "اے شیث بن ربعی! اے حجاز بن ابجبر! اے قیس بن الاشعث! اے یزید الحارث! کیا تم نے مجھے نہیں لکھا تھا کہ پھل پک گئے ہیں زمین سرسبز ہو گئی نہریں ابل پڑیں۔ اگر آپ آئیں گے تو اپنی فوج جرار کے پاس آئیں گے، جلد آئیے" اس پر ان لوگوں کی زبانیں کھلیں اور انہوں نے کہا "ہرگز نہیں۔ ہم نے نہیں لکھا تھا" آپ چلا اٹھے "سبحان اللہ یہ کیا جھوٹ ہے۔ واللہ تم نے ہی لکھا تھا" اس کے بعد آپ نے پھر پکار کر کہا "اے لوگو چونکہ تم اب مجھے ناپسند کرتے ہو، اس لئے بہتر ہے کہ مجھے چھوڑ دو میں یہاں سے واپس چلا جاتا ہوں۔"

ذلت منظور نہیں

یہ سن کر قیس بن الاشعث نے کہا "کیا یہ بہتر نہیں کہ آپ اپنے آپ کو اپنے عم زادوں کے حوالہ کر دیں؟ وہ وہی برتاؤ کریں گے، جو آپ کو پسند ہے۔ آپ کو ان سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔"

آپ نے جواب دیا۔ "تم سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے ہو۔ اے شخص تو یہ چاہتا ہے کہ بنی ہاشم تجھ سے مسلم بن عقیل کے سوا ایک اور خون کا مطالبہ کریں۔ نہیں واللہ! میں ذلت کے ساتھ اپنے آپ کو کبھی ان کے حوالے نہ کروں گا۔ (ابن جریر)

یہ کہکر آپ نے اونٹنی بٹھا دی عقبہ بن سمعان کو حکم دیا کہ اس کی کونچیں باندھ دے اور دیکھا کہ دشمن کے لشکر نے آپ کی طرف حرکت شروع کر دی۔

زہیر کا کوفہ والوں سے خطاب

زہیر بن القین اپنا گھوڑا بڑھا کر لشکر کے سامنے پہنچے اور چلائے "اے اہل کوفہ!

جس نے آپ کو لوٹنے سے روکا۔ راستہ بھر آپ کا پیچھا کیا۔ اور اس جگہ اترنے پر مجبور کیا خدا کی قسم میرے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ یہ لوگ آپ کی شرطیں منظور نہیں کریں گے۔ اور آپ کے معاملے میں اس حد تک پہنچ جائیں گے۔ واللہ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ وہ ایسا کریں گے تو ہرگز اس حرکت کا مرتکب نہ ہوتا۔ میں اپنے قصوروں پر نادم ہو کر توبہ کے لئے آپ کے پاس آیا ہوں میں آپ کے قدموں پر قتل ہو جانا چاہتا ہوں۔ کیا آپ کے خیال میں یہ میری توبہ کے لئے کافی ہوگا؟

حضرت نے شفقت سے فرمایا" ہاں خدا تیری توبہ قبول کرے۔ تجھے بخش دے تیرا نام کیا ہے"؟ اس نے کہا "حر بن یزید" فرمایا حُر (یعنی آزاد) ہی ہے جیسا تیری ماں نے تیرا نام رکھ دیا ہے۔ تو دنیا اور آخرت میں انشاء اللہ حُر ہے۔"

کوفیوں سے حُر کا خطاب

پھر حُر دشمن کی صفوں کے سامنے پہنچا اور کہا "اے لوگو! حسین کی پیش کی ہوئی شرطوں میں کوئی شرط منظور کیوں نہیں کر لیتے۔ تاکہ خدا تمہیں اس امتحان سے بچالے؟" لوگوں نے جواب دیا "ہمارے سردار عمر بن سعد موجود ہیں۔ یہ جواب دیں گے" عمر نے کہا "میری دلی خواہش تھی کہ ان کی شرطیں منظور کر سکتا۔"

اس کے بعد حُر نے نہایت جوش و خروش سے تقریر کی اور اہل کوفہ کو ان کی بدعہدی و غدر پر شرم و غیرت دلائی۔ لیکن اس کے جواب میں انہوں نے تیر برسانا شروع کر دیئے ناچار خیمہ کی طرف لوٹ آیا۔

جنگ کا آغاز

اس واقعہ کے بعد عمر بن سعد نے اپنی کمان اٹھائی اور لشکر حسین کی طرف یہ کہہ کر تیر پھینکا "گواہ رہو، سب سے پہلا تیر میں نے چلایا ہے" پھر تیر باری شروع ہو گئی۔ تھوڑی دیر بعد زیاد بن امیہ اور عبیداللہ بن زیاد کے غلام یسار اور سالم میدان میں نکلے اور مبارزت طلب کی۔ قدیم جنگ میں

"خدا آپ کو سنوارے کیا آپ اس شخص سے واقعی لڑائی کریں گے"؟ ابن سعد نے جواب دیا۔"ہاں واللہ لڑائی جس میں کم سے کم یہ ہوگا کہ سر کٹیں گے اور ہاتھ شانوں سے اڑ جائیں گے"، حُر نے کہا "کیا ان شرطوں میں سے کوئی ایک بھی قابل قبول نہیں جو اس نے پیش کی ہیں"؟ ابن سعد نے کہا۔ بخدا اگر مجھے اختیار ہوتا تو میں ضرور منظور کر لیتا۔ مگر کیا کروں تمہارا حاکم منظور نہیں کرتا۔ حُر بن یزید یہ سن کر اپنی جگہ پر لوٹ آیا۔ اس کے قریب خود اس کے قبیلہ کا ایک شخص کھڑا تھا۔ اس کا نام قرہ بن قیس تھا۔ حُر نے اس سے کہا۔ تم نے اپنے گھوڑے کو پانی پلا لیا؟ بعد میں قرہ کہا کرتا تھا۔ حُر کے اس سوال ہی سے میں سمجھ گیا تھا وہ لڑائی میں شریک ہونا نہیں چاہتا اور مجھے ٹالنا چاہتا ہے تاکہ اس کی شکایت حاکم سے نہ کردوں "میں نے گھوڑے کو پانی نہیں پلایا ہے۔ میں ابھی جاتا ہوں" یہ کہہ کر میں دوسری طرف روانہ ہوگیا۔ میرے الگ ہوتے ہی حر نے امام حسین طرف آہستہ آہستہ بڑھنا شروع کیا۔

اس قبیلے کے ایک شخص مہاجر بن اوس نے کہا۔ "کیا تم حسینؓ پر حملہ کرنا چاہتے ہو؟"

حُر خاموش ہوگیا۔ مہاجر کو شک ہوا کہنے لگا۔

تمہاری خاموشی مشتبہ ہے۔ میں نے کبھی کسی جنگ میں تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی۔ اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ کوفہ میں سب سے بڑا بہادر کون ہے؟ تو تمہارے نام کے سوا کوئی نام میری زبان پر نہیں آسکتا۔ پھر یہ تم اس وقت کیا کر رہے ہو؟

حُر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"بخدا میں جنت یا دوزخ کا انتخاب کر رہا ہوں۔ واللہ میں نے جنت منتخب کر لی اگرچہ مجھے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا جائے"۔

یہ کہا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر لشکر حسینؑ میں پہنچ گیا۔

حضرت حسینؓ کی خدمت میں پہنچ کر کہا۔ ابن رسول اللہ! میں ہی وہ بدبخت ہوں

انہیں مار سکتے ہو۔" عمر بن سعد نے یہ رائے پسند کی اور حکم دیا کہ مبارزت موقوف کی جائے اور عام حملہ شروع ہو۔ چنانچہ میمنہ آگے بڑھا اور کشت وخون شروع ہو گیا۔ ایک گھڑی بعد لڑائی رکی۔ تو نظر آیا کہ حسینی فوج کے نامور بہادر مسلم بن عوسجہ خاک و خون میں پڑے ہیں حضرت حسین دوڑکر لاش پر پہنچے۔ ابھی سانس باقی تھی۔ آہ سرد بھر کر فرمایا "مسلم تجھ پر خدا کی رحمت! منهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلوا تبديلا" مسلم بن عوسجہ اس جنگ میں آپ کی جانب سے پہلے شہید تھے (ابن جریر)

گھوڑے بیکار ہو گئے

میمنہ کے بعد میسرہ نے یورش کی شمر ذی الجوشن کا سپہ سالار تھا۔ حملہ بہت ہی سخت تھا۔ مگر حسینی میسرے نے بڑی ہی بہادری سے مقابلہ کیا۔ اس بازو میں صرف بتیس سوار تھے۔ جس طرف ٹوٹ پڑتے تھے صفیں الٹ جاتی تھیں۔ آخر طاقتور دشمن نے محسوس کر لیا کہ کامیابی ناممکن ہے۔ چنانچہ فوراً کمک طلب کی۔ بہت سے سپاہی اور پانسو تیر انداز مدد کو پہنچ گئے۔ انہوں نے آتے ہی تیر برسانے شروع کر دیئے۔ تھوڑی دیر میں حسینی فوج کے تمام گھوڑے بیکار ہو گئے۔ اور سواروں کو پیدل ہو جانا پڑا۔

حُر کی شجاعت

ایوب خاں مشرح روایت کرتا ہے کہ حر بن یزید کا گھوڑا خود میں نے زخمی کیا تھا۔ میں نے اسے تیروں سے چھلنی کر ڈالا۔ حُر بن یزید زمین پر کود پڑے۔ تلوار ہاتھ میں تھی۔ بالکل شیر معلوم ہوتے تھے۔ تلوار ہر طرف متحرک تھی اور یہ شعر زبان پر تھا۔

ان تعقروا بي فانا ابن الحر　　اشجع من ذي لبد هزبر

اگر تم نے میرا گھوڑا بے کار کر دیا تو کیا ہوا میں شریف کا بیٹا ہوں، خوفناک شیر سے بھی زیادہ بہادر ہوں۔

مبارزت کا طریق یہ تھا کہ فریقین کے لشکر سے ایک ایک جنگ آزما نکلتا اور پھر دونوں باہم دگر پیکار رہتے۔ لشکر حسینؓ سے حبیب بن مظاہر اور بریر بن حصیر نکلنے لگے۔ مگر حضرت حسینؓ نے انہیں منع کیا۔ عبداللہ بن عمیر الکلبی نے کھڑے ہو کر عرض کیا۔ مجھے اجازت دیجئے۔ یہ شخص اپنی بیوی کے ساتھ حضرت کی حمایت کے لئے کوفہ سے چل کر آیا تھا۔ سیاہ رنگ، تنومند، کشادہ سینہ تھا۔ آپ نے اس کی صورت دیکھ کر فرمایا۔ "بیشک یہ مرد میدان ہے" اور اجازت دی۔ عبداللہ نے چند پھیروں میں دونوں حریف زیر کر کے قتل کر ڈالے۔ اس کی بیوی ام وہب ہاتھ میں لاٹھی لئے کھڑی تھیں۔ اور جنگ کی طرف بڑھنے لگیں۔ حضرت حسین یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوئے فرمایا۔ "اہل بیت کی طرف سے خدا تمہیں جزائے خیر دے۔ لیکن عورتوں کے ذمہ لڑائی نہیں ہے"

گھٹنے ٹیک کر نیزے سیدھے کر دیئے

اس کے بعد ابن سعد کے میمنہ نے حملہ کیا۔ جب بالکل قریب پہنچ گئے تو حضرت کے رفقا زمین پر گھٹنے ٹیک کر کھڑے ہو گئے اور نیزے سیدھے کر دیئے۔ نیزوں کے منہ پر گھوڑے بڑھ نہ سکے اور لوٹنے لگے۔ حضرت کی فوج نے اس واقعہ سے فائدہ اٹھایا۔ اور تیر مار کر کئی آدمی قتل اور زخمی کر ڈالے۔

عام حملہ

اب باقاعدہ جنگ جاری ہو گئی۔ طرفین سے ایک ایک دو دو جوان مرد نکلتے تھے اور تلوار کے جوہر دکھاتے تھے۔ حضرت حسین کے طرفداروں کا پلہ بھاری تھا۔ جو سامنے آتا تھا مارا جاتا تھا۔ میمنہ کے سپہ سالار عمرو بن الحجاج نے یہ حالت دیکھی تو پکار اٹھا

"بیوقوفو! پہلے جان لو کہ کن سے لڑ رہے ہو؟ یہ لوگ جان پر کھیلے ہوئے ہیں۔ تم اسی طرح ایک ایک کر کے قتل ہوتے جاؤ گے۔ ایسا نہ کرو۔ یہ مٹھی بھر ہیں۔ پتھروں سے

ملوں جس کا وقت آگیا ہے۔ یہ سن کر حضرت نے سر اٹھایا اور فرمایا " دشمنوں سے کہو ہمیں نماز کی مہلت دیں"۔ مگر دشمن نے درخواست منظور نہیں کی اور لڑائی جاری رہی۔

حبیب اور حُر کی شہادت

یہ وقت بہت سخت تھا۔ دشمن نے پوری قوت لگادی تھی غضب یہ ہوا کہ حسینی میسرہ کے سپہ سالار حبیب بن مظاہر بھی قتل ہو گئے گویا فوج کی کمر ٹوٹ گئی۔ حبیب کے بعد حُر بن یزید کی باری تھی۔ وہ جوش سے یہ شعر پڑھتے ہوئے دشمن کی صفوں میں گھس گئے۔

الیت لا اقتل حتی اقتلا ولن اصاب الیوم الا مقبلا

میں نے قسم کھائی ہے کہ قتل نہیں ہوں گا جب تک قتل نہ کر لوں اور مروں گا۔ تو اسی حال میں مروں گا کہ آگے بڑھا رہوں گا۔

اضربهم بالسیف ضربا مفصلا لا ناکلا عنهم ولا مهللا

انہیں تلوار کی کاری ضربوں سے ماروں گا۔ نہ بھاگوں گا، نہ ڈروں گا!

زہیر کی شہادت

چند لمحے کی بات تھی۔ حُر زخموں سے چُور ہو کر گرے۔ اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔ اب ظہر کا وقت ختم ہو رہا تھا حضرت نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ صلوۃ الخوف پڑھی۔ نماز کے بعد دشمن کا دباؤ اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس موقعہ پر آپ کے میمنہ کے سپہ سالار زہیر بن القین نے میدان اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ اور شعر پڑھتے ہوئے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔

انا زهیر وانا ابن القین اذودهم بالسیف عن حسین

میں زہیر ہوں ابن القین ہوں۔ اپنی تلوار کی نوک سے انہیں حسینؓ سے دور کر دوں گا۔

صفیں درہم برہم کر ڈالیں، پھر لوٹے اور حضرت حسینؓ کے شانہ پر ہاتھ

خیمے جلا دئیے

لڑائی اپنی پوری ہولناکی سے جاری تھی۔ اب بعد دوپہر ہوگئی مگر کوئی فوج غلبہ حاصل نہ کرسکی۔ وجہ یہ تھی کہ حسینی فوج نے تمام خیمے ایک جگہ کر دیئے تھے اور دشمن صرف ایک ہی رخ سے حملہ کرسکتا تھا۔ عمر بن سعد نے یہ دیکھا تو خیمے اکھاڑ ڈالنے کے لئے آدمی بھیجے۔ حسینی فوج کے صرف ۴ یا ۵ آدمی یہاں مقابلہ کے لئے کافی ثابت ہوئے۔ خیموں کی آڑ سے دشمن کے آدمی قتل کرنے کے لئے نکلے۔ جب یہ صورت بھی ناکامیاب رہی تو عمر بن سعد نے خیمے جلا ڈالنے کا حکم دیا۔ سپاہی آگ لے کر دوڑے۔ حسینی فوج نے یہ دیکھا تو مضطرب ہوئی۔ مگر حضرت حسین رضؓ نے فرمایا۔ کچھ پرواہ نہیں جلانے دو۔ یہ ہمارے لئے اور بھی زیادہ بہتر ہے اب وہ پیچھے سے حملہ نہیں کرسکیں گے اور ہوا بھی یہی۔

اُم وہب کا قتل

اسی اثنا میں زہیر بن القین نے شمر پر زبردست حملہ کیا۔ اور اس کی فوج کے قدم اکھاڑ دئیے مگر کب تک۔ ذرا دیر کے بعد پھر دشمن کا ہجوم ہوگیا۔ اب حسینی لشکر کی بے بسی صاف ظاہر تھی۔ بہت سے لوگ قتل ہوچکے تھے۔ کئی نامی سردار مارے جاچکے تھے۔ حتیٰ کہ عبداللہ بن عمیر الکلبی بھی جن کا ذکر اوپر ہوچکا ہے۔ اس کی بہادر بیوی ام وہب بھی شہید ہوچکی تھی۔ یہ میدان جنگ میں بیٹھی اپنے مقتول شوہر کے چہرے سے مٹی صاف کررہی تھی اور کہتی جاتی تھی "تجھے جنت مبارک ہو" شمر نے اسے دیکھا اور قتل کر ڈالا۔ ابن جریر نہج البلاغتہ۔

نماز پڑھنے نہیں دی

ابوثمامہ عمرو بن عبداللہ صائدی نے اپنی بے بسی کی حالت محسوس کی اور حضرت حسین رضؓ سے عرض کیا دشمن اب آپ سے بالکل قریب آگیا ہے۔ واللہ آپ اس وقت تک قتل ہونے نہیں پائینگے جب تک میں قتل نہ ہوجاؤں لیکن میری آرزو ہے کہ اپنے رب سے نماز پڑھ کر

واللہ مجھے یقین ہے ابھی چند لمحے بعد تمہاری آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی" انہوں نے گریہ سے ٹوٹی ہوئی آواز میں عرض کیا" ہم اپنی جان پر نہیں روتے۔ ہم آپ پر روتے ہیں۔ دشمن نے آپ کو گھیر لیا ہے اور ہم آپ کے کچھ بھی کام نہیں آسکتے" پھر دونوں نے بڑی ہی شجاعت سے لڑنا شروع کیا۔ بار بار چلاتے تھے "السلام علیک یا ابن رسول اللہ" جواب ملتا" وعلیکم السلام ورحمتہ اللہ" اور دشمن پر ٹوٹ پڑتے تھے۔ آخر دونوں شہید ہو گئے۔

حنظلہ ابن اسعد کی شہادت

ان کے بعد حنظلہ ابن اسعد حضرت کے سامنے آکھڑے ہوئے اور بآواز بلند دشمن سے مخاطب ہوئے۔" اے قوم! میں ڈرتا ہوں عاد و ثمود کی طرح تمہیں بھی روز بد نہ دیکھنا پڑے۔ میں ڈرتا ہوں تم برباد نہ ہو جاؤ۔ اے قوم! حسینؓ کو قتل نہ کرو۔ ایسا نہ ہو خدا تم پر عذاب نازل کر دے" بالآخر یہ بھی شہید ہو گئے۔

علی اکبر کی شہادت

غرضکہ یکے بعد دیگرے تمام اصحاب قتل ہو گئے۔ اب بنی ہاشم اور خاندان نبوت کی باری تھی۔ سب سے پہلے آپ کے صاحبزادے علی اکبر میدان میں آئے اور دشمن پر حملہ کیا۔ ان کا رجز یہ تھا۔

انا علی بن حسین بن علی نحن ورب البیت اولی بالنبی

میں علی بن حسین بن علی ہوں قسم رب کعبہ کی ہم نبی کے قرب کے زیادہ حقدار ہیں

تااللہ لا یحکم فینا ابن الدعی

قسم خدا کی نامعلوم باپ کے لڑکے کا بیٹا ہم پر حکومت نہ کر سکے گا۔

بڑی شجاعت سے لڑے۔ آخر مرہ بن منقذ العبدی کی تلوار سے شہید ہو گئے ایک راوی کہتا ہے میں نے دیکھا کہ خیمہ سے ایک عورت تیزی سے نکلی۔ اتنی حسین تھی جیسے اٹھتا ہوا سورج وہ چلا رہی تھی" آہ بھائی! آہ بھتیجے" میں نے پوچھا یہ کون

مار کر جوش سے یہ شعر پڑھے۔

اقدم ھدیت ھادیا مھدیا فالیوم تلقی جدک لنبیا

بڑھ، خدا نے تجھے ہدایت دی۔ آج تو اپنے نانا نبیؑ سے ملاقات کرے گا

وحسنا والمرتضی علیا ذوالجناحین الفتی الکمیا

اور حسن اور علی مرتضیٰ سے اور بہادر جوان جعفر

واسد اللہ الشہید الحیا

طیار سے اور زندہ شہید اسد اللہ حمزہ سے

پھر دشمن کی طرف لوٹے اور قتل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ قتل ہو گئے۔

غفاری بھائیوں کی بہادری

اب آپ کے ساتھیوں نے دیکھا دشمن کو روکنا ناممکن ہے۔ چنانچہ انہوں نے طے کیا کہ آپ کے سامنے ایک ایک کرکے قتل ہو جائیں۔ چنانچہ دو غفاری بھائی آگے بڑھے اور لڑنے لگے۔ یہ شعر ان کی زبان پر جاری تھے۔

قد علمت حقا بنو غفار وخندف بعد بنی نزار

بنی غفار اور قبائل نزار نے اچھی طرح جان لیا ہے۔ کہ ہم بے پناہ

لنضربن معشر الفجار بکل غضب صارم تبار

شمشیر آب دار سے فاجروں کے ٹکڑے اڑا دیں گے۔

یا قوم ذودوا عن بنی الاحرار بالمشرفی والقنا الخطار

اے قوم! تلواروں اور نیزوں سے شریفوں کی حمایت کرو!

جابری لڑکوں کی فداکاری

ان کے بعد دو جابری لڑکے سامنے آئے دونوں بھائی تھے، زار و قطار رو رہے تھے حضرت نے انہیں دیکھا تو فرمانے لگے " اے میرے بھائی کے فرزندو! کیوں روتے ہو؟

مولود تازہ کی شہادت حضرت حسینؓ پھر اپنی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔ عین اس وقت آپ کے یہاں لڑکا پیدا ہوا۔ وہ آپ کے پاس لایا گیا۔ آپ نے اسے گود میں رکھا اور اس کے کان میں اذان دینے لگے۔ اچانک ایک تیر آیا۔ اور بچہ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ بچہ کی روح اسی وقت پرواز کر گئی۔ آپ نے تیر اس کے حلق سے کھینچ کر نکالا۔ خون سے چلو بھرا۔ اور اس کے جسم پر مل کر فرمانے لگے۔
" واللہ تو خدا کی نظر میں حضرت صالح کی اونٹنی سے زیادہ عزیز ہے اور محمدؐ خدا کی نظر میں صالح سے زیادہ افضل ہے! الہٰی! اگر تو نے ہم سے اپنی نصرت روک لی ہے تو وہی کر جس میں بہتری ہے (یعقوبی و ابن جریر وغیرہما)

بنی ہاشم کے مقتول اسی طرح ایک ایک کر کے اکثر بنی ہاشم اور اہل بیت شہید ہو گئے۔ ان میں سے ذیل کے نام مورخین نے محفوظ رکھے ہیں:۔

(۱) محمد بن ابی سعید بن عقیل (۲) عبداللہ بن مسلم بن عقیل (۳) عبداللہ بن عقیل (۴) عبدالرحمن بن عقیل (۵) جعفر بن عقیل (۶) محمد عبداللہ بن جعفر (۷) عون بن عبداللہ بن جعفر (۸) عباس بن علی (۹) عبداللہ بن علی (۱۰) عثمان بن علی (۱۱) محمد بن علی (۱۲) ابوبکر بن علی (۱۳) ابوبکر بن الحسن (۱۴) عبداللہ بن الحسن (۱۵) قاسم بن الحسن (۱۶) علی بن حسین (۱۷) عبداللہ بن حسین:

ایک بچے کی شجاعت ان سب کے بعد خود آپ کی باری تھی۔ آپ میدان میں تنہا کھڑے تھے۔ دشمن یلغار کر کے آتے تھے مگر کسی کو وار کرنے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اس قتل کا گناہ دوسرے کے سر ڈالے لیکن شمر بن ذی الجوشن نے لوگوں کو برانگیختہ کرنا شروع کیا۔ ہر طرف سے آپ کو گھیر لیا گیا۔ اہل بیت کے خیمہ میں عورتیں اور چند کم عمر لڑکے رہ گئے تھے۔ اندر سے

ہے ہ لوگوں نے کہا "زینب بنت فاطمہؓ بنت رسول اللہ صلعم" لیکن حضرت حسینؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا اور خیمے میں پہنچا آئے پھر علی اکبر کی نعش اٹھائی اور خیمہ کے سامنے لاکر رکھدی۔

ایک جوان رعنا

ان کے بعد اہل بیت اور بنی ہاشم کے دوسرے جانفروش قتل ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ میدان میں ایک جوان رعنا نمودار ہوا۔ وہ کرتہ پہنے تہبند باندھے اور پاؤں میں نعل پہنے تھا۔ بائیں نعل کی ڈوری ٹوٹی ہوئی تھی وہ اس قدر حسین تھا کہ اس کا چہرہ چاند کا ٹکڑہ معلوم ہوتا تھا۔ شیر کی طرح بپھرا ہوا آیا۔ اور دشمن پر ٹوٹ پڑا۔ عمرو بن سعد ازدی نے اس کے سر پر تلوار ماردی۔ نوجوان چلایا۔ "ہائے چچا" اور زمین پر گر پڑا۔ آواز سنتے ہی حضرت حسینؓ بھوکے باز کی طرح ٹوٹے اور غضبناک شیر کی طرح قاتل پر لپکے۔ بے پناہ تلوار کا وار کیا قاتل نے پکارنا شروع کیا۔ فوج اسے بچانے کے لئے ٹوٹ پڑی مگر گھبراہٹ میں بچانے کی جگہ اسے روند ڈالا۔ راوی کہتا ہے جب غبار چھٹ گیا تو کیا دیکھتا ہے۔ حضرت حسینؓ لڑکے کے سرہانے کھڑے ہیں۔ وہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے اور آپ فرمارہے ہیں۔ ان کے لئے ہلاکت جنہوں نے تجھے قتل کیا ہے۔ قیامت کے دن تیرے نانا کو یہ کیا جواب دیں گے ہ بخدا تیرے چچا کے لئے یہ سخت حسرت کا مقام ہے کہ تو اسے پکارے اور وہ جواب نہ دے۔ یا جواب دے مگر تجھے اس کی آواز نفع نہ پہنچا سکے۔ افسوس تیرے چچا کے دشمن بہت ہو گئے۔ اور دوست باقی نہ رہے! پھر لاش اپنی گود میں اٹھا لی۔ لڑکے کا سینہ آپ کے سینہ سے ملا ہوا تھا اور پاؤں زمین پر رگڑتے جاتے تھے۔ اس حال سے آپ اسے لائے اور علی اکبر کی لاش کے پہلو میں لٹا دیا۔ راوی کہتا ہے میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہے جواب ملا قاسم بن علی بن ابی طالب۔

دیکھکر بکریاں بھاگ جاتی ہیں۔ دیر تک یہی حالت رہی اسی اثنا میں آپ کی بہن زینب بنت فاطمہ (علیہا السلام) خیمہ سے باہر نکلیں۔ ان کے کانوں میں بالیاں پڑی تھیں وہ چلاتی تھیں۔ کاش آسمان زمین پر ٹوٹ پڑے! یہ وہ موقع تھا جبکہ عمر بن سعد حضرت حسین؄ سے بالکل قریب ہوگیا تھا۔ زینب نے پکار کر کہا اے عمر! کیا ابو عبد اللہ تمہاری آنکھوں کے سامنے قتل ہو جائیں؟" عمر نے منہ پھیر لیا مگر اس کے رخسار اور داڑھی پر آنسوؤں کی لڑیاں بہنے لگیں۔

آپ کے حلق میں تیر پیوست ہوگیا

لڑائی کے دوران میں آپ کو سخت پیاس لگی۔ آپ پانی پینے فرات کی طرف چلے۔ مگر دشمن کب جانے دیتا تھا۔ اچانک ایک تیر آیا اور آپ کے حلق میں پیوست ہوگیا۔ آپ نے تیر کھینچ لیا۔ پھر اپنے ہاتھ منہ کی طرف اٹھائے تو دونوں چلو خون سے بھر گئے۔ آپ نے خون آسمان کی طرف اچھالا۔ اور خدا کا شکر ادا کیا۔ "الہٰی! میرا شکوہ تجھی سے ہے۔ دیکھ تیرے رسول کے نواسے سے کیا برتاؤ ہو رہا ہے!"

تو نیز بر سر بام آ چہ خوش تماشائیست

شمر کی سرزنش

پھر آپ اپنے خیمے کی طرف لوٹنے لگے۔ تو شمر اور اس کے ساتھیوں نے یہاں بھی تعرض کیا۔ حضرت؄ نے محسوس کیا کہ ان کی نیت خراب ہے۔ خیمہ لوٹنا چاہتے ہیں۔ فرمایا "اگر تم میں دین نہیں اور تم روز آخرت سے ڈرتے نہیں۔ تو کم سے کم دنیاوی شرافت پر تو قائم رہو۔ میرے خیمہ کو اپنے جاہلوں اور اوباشوں سے محفوظ رکھو"

شمر نے جواب دیا۔ "اچھا ایسا ہی کیا جائیگا۔ اور آپ کا خیمہ محفوظ رہیگا"

آخری تنبیہہ

اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ راوی کہتا ہے کہ دشمن اگر چاہتا تو آپ کو بہت پہلے قتل کر ڈالتا۔ مگر یہ گناہ کوئی بھی اپنے سر لینا نہیں

ایک لڑکے نے آپ کو اس طرح گھرا دیکھا تو جوش سے بے خود ہو گیا اور خیمہ کی لکڑی لے کر دوڑ پڑا۔ راوی کہتا ہے اس کے کانوں میں دُر پڑے ہل رہے تھے۔ یہ گھبرایا ہُوا دائیں بائیں دیکھتا ہوا چلا حضرت زینبؓ کی نظر پڑ گئی دوڑ کر پکڑ لیا۔ حضرت حسینؓ نے بھی دیکھ لیا اور بہن سے کہا۔ روکے رہو آنے نہ پائے۔ مگر لڑکے نے زور کر کے اپنے آپ کو چھڑا لیا۔ اور حضرت کے پہلو میں پہنچ گیا۔ عین اس وقت بحر بن کعب نے تلوار اٹھائی۔ لڑکے نے فوراً ڈانٹ بتائی "او خبیث میرے چچا کو قتل کرے گا۔" سنگ دل حملہ آور نے تلوار لڑکے پر چھوڑ دی۔ اس نے ہاتھ پر روکی ہاتھ کٹ گیا، ذرا سی کھال رہ گئی۔ بچہ تکلیف سے چلایا۔ حضرت نے اسے سینے سے چمٹا لیا اور فرمایا "صبر کر۔ اسے ثواب خداوندی کا ذریعہ بنا۔ اللہ تعالےٰ تجھے بھی تیرے صالح بزرگوں تک پہنچا دے گا۔ رسول اللہ صلعم، علی بن ابی طالبؓ، حمزہؓ، جعفرؓ اور حسنؓ بن علی تک۔

حضرت حسین کی شجاعت

اب آپ پر ہر طرف سے نرغہ شروع ہوا آپ نے بھی تلوار چلانا شروع کی۔ پیدل فوج پر ٹوٹ پڑے اور تن تنہا اس کے قدم اکھاڑ دئیے۔ عبداللہ بن عمار جو خود اس جنگ میں شریک تھا۔ روایت کرتا ہے کہ میں نے نیزے سے حضرت حسینؓ پر حملہ کیا اور ان کے بالکل قریب پہنچ گیا۔ اگر میں چاہتا تو قتل کر سکتا تھا۔ مگر یہ خیال کر کے ہٹ گیا کہ یہ گناہ اپنے سر کیوں لوں میں نے دیکھا کہ دائیں بائیں ہر طرف سے ان پر حملے ہو رہے تھے لیکن وہ جس طرف مڑ جاتے تھے دشمن کو بھگا دیتے تھے۔ وہ اس وقت کرتہ پہنے اور عمامہ باندھے تھے۔ واللہ میں نے کبھی کسی شکستہ دل کو جس کا گھرانہ خود اس کی آنکھوں کے سامنے قتل ہو گیا ہو ایسا شجاع ثابت قدم، مطمئن اور جری نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ دائیں بائیں سے دشمن اس طرح بھاگ کھڑے ہوتے تھے جس طرح شیر کو

سب سے اچھا ہے!

عمر بن سعد نے اسے اندر بلالیا۔ بہت خفا ہوا۔ واللہ تو مجنوں ہے۔ پھر اپنی لکڑی سے اسے مار کر کہا۔ "پاگل! ایسی بات کہتا ہے۔ بخدا اگر عبیداللہ بن زیاد سنتا تو تجھے بھی مروا ڈالتا!" (ابن جریر)

لوٹ کھسوٹ قتل کے بعد کوفیوں نے آپ کے بدن کے کپڑے تک اتار لئے پھر آپ کے خیمے کی طرف بڑھے۔ زین العابدین بستر پر بیمار پڑے تھے۔ شمر اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ پہنچا اور کہنے لگا "اسے بھی قتل کیوں نہ کر ڈالیں؟" لیکن اس کے بعض ساتھیوں نے مخالفت کی اور کہا "کیا بچوں کو بھی مار ڈالوگے؟" اسی اثنا میں عمر بن سعد بھی آگیا اور حکم دیا۔ "کوئی عورتوں کے خیمے میں نہ گھسے انہیں کوئی نہ چھیڑے۔ جس کسی نے خیمہ کا کوئی اسباب لوٹا ہو واپس کر دے"

زین العابدین نے یہ سن کر اپنی بیمار آواز سے کہا۔ عمر بن سعد! خدا تجھے جزائے خیر دے، تیری زبان نے ہمیں بچالیا۔"

نعش روند ڈالی عمر بن سعد کو حکم تھا کہ حسینؓ کی نعش گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالے۔ اب اس کا وقت آیا۔ اس نے پکار کر کہا۔ اس کام کے لئے کون تیار ہے؟ دس آدمی تیار ہو گئے اور گھوڑے دوڑا کر جسم مبارک کو روند ڈالا۔

چوں بگذرد نظیری خونیں کفن بہ حشر
خلقے فغاں کنند کہ ایں داد خواہ کیست

اس جنگ میں حضرت حسین کے ۷۲ ہتر آدمی مارے گئے اور کوفی فوج کے اٹھاسی قتل ہوئے۔ (ابن جریر کامل یعقوبی)

چاہتا تھا۔ آخر شمر ذی الجوشن نے کہا "تمہارا برا ہو! کیا انتظار کر رہے ہو؟ کیوں کام تمام نہیں کرتے۔ اب ہر طرف سے نرغہ ہوا۔ آپ نے پکار کر کہا۔ "کیا میرے قتل پر ایک دوسرے کو ابھارتے ہو؟ واللہ میرے بعد کسی بندے کے قتل پر بھی خدا اتنا ناخوش نہیں ہوگا۔ جتنا میرے قتل پر ناخوش ہوگا"

شہادت

مگر اب وقت آچکا تھا۔ زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے ہاتھ کو زخمی کیا۔ پھر شانے پر تلوار ماری۔ آپ کمزوری سے لڑکھڑائے۔ لوگ ہیبت سے پیچھے ہٹے۔ مگر سنان بن انس نخعی نے بڑھ کر نیزہ مارا اور آپ زمین پر گر پڑے۔ اس نے ایک شخص سے کہا۔ سر کاٹ لے۔ وہ سر کاٹنے کے لئے لپکا مگر جرأت نہ ہوئی۔ سنان بن انس نے دانت پیس کر کہا "خدا تیرے ہاتھ شل کر ڈالے" پھر جوش سے اترا۔ آپ کو ذبح کیا۔ اور سر تن سے جدا کر لیا۔

جعفر بن علی بن محمدؒ سے مروی ہے کہ قتل کے بعد دیکھا گیا کہ آپ کے جسم پر نیزے کے ۳۳ زخم اور تلوار کے ۳۴ گھاؤ تھے۔

قاتل

سنان بن انس کے دماغ میں کسی قدر فتور تھا قتل کے وقت اس کی عجیب حالت تھی۔ جو شخص بھی حضرت کی نعش کے قریب آتا وہ اس پر حملہ آور ہوتا۔ وہ ڈرتا تھا کہ کوئی دوسرا ان کا سر کاٹ کر نہ لے جائے۔ قاتل نے سر کاٹ کر خولی بن یزید اصبحی کے حوالے کیا۔ اور خود عمر بن سعد کے پاس دوڑا گیا۔ خیمہ کے سامنے کھڑا ہو کر چلایا۔

اوقر رکابی فضۃ و ذھبا	انا قتلت الملک المحجبا
مجھے چاندی سونے سے لاد دو	میں نے بڑا بادشاہ مارا ہے
قتلت خیر الناس اما و ابا	وخیرھم اذ ینسبوا نسبا

میں نے اسے قتل کیا ہے جس کے ماں باپ سب سے افضل اور اپنے نسب میں

خدا کی میری ان دونوں آنکھوں نے دیکھا ہے کہ رسول اللہ اپنے ہونٹ ان ہونٹوں پر رکھتے تھے، اور ان کا بوسہ لیتے تھے" یہ کہہ کر وہ زار وقطار رونے لگے۔ ابن زیاد خفا ہو گیا۔" خدا تیری آنکھوں کو رلائے۔ واللہ اگر تو بوڑھا ہو کر سٹھیا نہ گیا ہوتا تو ابھی تیری گردن مار دیتا" زید بن ارقمؓ یہ کہتے ہوئے مجلس سے چلے گئے۔" اے عرب آج کے بعد تم غلام ہو! تم نے ابن فاطمہؓ کو قتل کیا۔ ابن مرجانہ (یعنی عبید اللہ) کو حاکم بنایا۔ وہ تمہارے نیک انسان قتل کرتا اور تمہارے شریروں کو غلام بناتا ہے۔ تم نے ذلت پسند کر لی۔ خدا انہیں مارے جو ذلت قبول کرتے ہیں" بعض روایات میں یہ واقعہ خود یزید کی طرف منسوب ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ ابن زیاد نے چھڑی ماری تھی۔

ابن زیاد اور حضرت زینب

راوی کہتا ہے۔ جب اہل بیت کی خاتونیں اور بچے عبید اللہ کے سامنے پہنچے تو حضرت زینبؓ نے نہایت ہی حقیر لباس پہنا ہوا تھا۔ وہ پہچانی نہیں جاتی تھیں۔ اُن کی کنیزیں انہیں اپنے بیچ میں لئے تھیں۔ عبید اللہ نے پوچھا۔" یہ کون بیٹھی ہے" انہوں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ مگر وہ خاموش رہیں۔ آخر ان کی کنیز نے کہا "یہ زینبؓ بنت فاطمہؓ ہیں" عبید اللہ شماتت کی راہ سے چلایا۔" اس خدا کی ستائش جس نے تم لوگوں کو رسوا اور ہلاک کیا۔ اور تمہارے نام کو بٹہ لگایا" اس پر حضرت زینبؓ نے جواب دیا،" ہزار ستائش اس خدا کے لئے جس نے ہمیں محمد صلعم سے عزت بخشی اور ہمیں پاک کیا نہ کہ جیسا تو کہتا ہے، فاسق رسوا ہوتے ہیں۔ فاجروں کے نام کو بٹہ لگتا ہے،" ابن زیاد نے کہا،" تو نے دیکھا خدا نے تیرے خاندان کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ حضرت زینب بولیں ان کی قسمت میں قتل کی موت لکھی تھی۔ اس لئے وہ مقتل میں پہنچ گئے۔ عنقریب خدا تجھے اور انہیں ایک جگہ جمع کر دے گا۔ اور تم باہم اس کے حضور سوال وجواب کر لو گے! ابن زیاد غضبناک ہوا۔ اس کا غصہ دیکھ کر عمرو بن حرث نے کہا۔ خدا امیر کو سنوارے یہ تو ایک

حضرت زینب نے پامال لاش دیکھی

دوسرے دن عمر بن سعد نے میدانِ جنگ سے کوچ کیا۔ اہلِ بیت کی خاتونوں اور بچوں کو ساتھ لے کر کوفہ روانہ ہوگیا۔ قرہ بن قیس (جو شاہد عینی ہے) روایت کرتا ہے کہ ان عورتوں نے جب حضرت حسینؓ اور اُن کے لڑکوں اور عزیزوں کی پامال لاشیں دیکھیں تو ضبط نہ کر سکیں۔ اور آہ و فریاد کی صدائیں بلند ہوگئیں۔ میں گھوڑا دوڑا کر ان کے قریب پہنچا۔ میں نے کبھی اتنی حسین عورتیں نہیں دیکھی تھیں۔ مجھے زینب بنت فاطمہ (علیہما السلام) کا یہ بین کسی طرح بھی نہیں بھولتا۔

"اے محمدؐ تجھ پر آسمان کے فرشتوں کا درود سلام! یہ دیکھ حسینؑ ریگستان میں پڑا ہے۔ خاک و خون سے آلودہ ہے۔ تمام بدن ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ تیری بیٹیاں قید ہیں! تیری اولاد مقتول ہے۔ ہوا ان پر خاک ڈال رہی ہے"

راوی کہتا ہے۔ دوست و دشمن کوئی نہ تھا۔ جو ان کے بین سے رونے نہ لگا ہو۔ (ابن جریر)

۷۲ بہتر سر

پھر تمام مقتولوں کے سر کاٹے گئے۔ کل بہتر (۷۲) سر تھے۔ شمر ذی الجوشن، ابن الاشعث، عمرو بن الحجاج۔ عزرہ بن قیس۔ یہ تمام سر عبیداللہ بن زیاد کے پاس لے گئے۔

حضرت کا سر ابن زیاد کے سامنے

حمید بن مسلم (جو خولی بن یزید کے ساتھ حضرت حسین کا سر کوفہ میں لایا تھا) روایت کرتے ہیں کہ حسینؓ کا سر ابن زیاد کے سامنے رکھا گیا۔ مجلس حاضرین سے لبریز تھی۔ ابن زیاد کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی۔ آپ کے لبوں پر مارنے لگا جب اس نے بار بار یہی حرکت کی تو زید بن ارقمؓ چلا اٹھے "ان لبوں سے چھڑی ہٹا لے قسم

ا؎ بعض روایتوں میں آیا ہے کہ حضرت انس نے یہ کہا تھا (منہاج السنہ)

مجھے اس کے ساتھ مار ڈال"۔ امام زین العابدین نے بلند آواز سے کہا" اے ابن زیاد اگر تم ان عورتوں سے ذرا بھی رشتہ سمجھتا ہے تو میرے بعد ان کے ساتھ کسی متقی آدمی کو بھیجا جو اسلامی معاشرت کے اصول پر ان سے برتاؤ کرے"۔ ابن زیاد دیر تک زینب کو دیکھتا رہا۔ پھر لوگوں سے مخاطب ہو کر کہنے لگا "رشتہ بھی کیسی عجیب چیز ہے۔ واللہ مجھے یقین ہے کہ یہ سچے دل سے لڑکے کے ساتھ قتل ہونا چاہتی ہے۔ اچھا لڑکے کو چھوڑ دو یہ بھی اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ جائے (ابن جریر وغیرہ)

ابن عفیف کا قتل اس واقعہ کے بعد ابن زیاد نے جامع مسجد میں شہر والوں کو جمع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے اس خدا کی تعریف کی جس نے حق ظاہر کیا۔ حق والوں کو فتح یاب کیا۔ امیر المومنین یزید بن معاویہ اور ان کی جماعت غالب ہوئی۔ اور کذاب ابن کذاب حسینؓ بن علی اور اس کے ساتھیوں کو ہلاک کر ڈالا۔ یہ سن کر عبداللہ بن عفیف ازدی رجو حضرت علی کے مشہور اصحابی ہیں اور جنگ جمل و صفین میں زخمی ہو کر اپنی دونوں آنکھیں کھو چکے تھے، کھڑے ہو گئے اور چلائے "خدا کی قسم ابن مرجانہ! کذاب ابن کذاب تو تو ہے نہ کہ حسین بن علیؓ"۔ ابن زیاد نے یہ سن کر ان کو قتل کروا ڈالا۔

یزید کے سامنے اس کے بعد ابن زیاد نے حضرت حسینؓ کا سر بانس پر نصب کر کے زحر بن قیس کے ہاتھ یزید کے پاس بھیج دیا۔ غاز بن ربیعہ کہتا ہے جس وقت زحر بن قیس پہنچا میں زیاد کے پاس بیٹھا تھا۔ یزید نے اس سے سوال کیا۔ کیا خبر ہے؟ قاصد نے جواب دیا۔ فتح و نصرت کی بشارت لایا ہوں حسین ابن علیؓ اپنے اٹھارہ اہل بیت اور ۶۰ حمایتیوں کے ساتھ ہم تک پہنچے۔ ہم نے انہیں بڑھ کر روکا۔ اور مطالبہ کیا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں ورنہ لڑائی لڑیں۔ انہوں نے اطاعت پر لڑائی کو ترجیح دی۔ چنانچہ ہم نے طلوع آفتاب کے ساتھ ہی ان پر ہلہ بول دیا

عورت ہے، عورتوں کی بات کا خیال نہ کرنا چاہئے

پھر کچھ دیر کے بعد ابن زیاد نے کہا "خدا نے تیرے سرکش سردار اور تیرے اہل بیت کے نافرمان باغیوں کی طرف سے میرا دل ٹھنڈا کر دیا"۔ اس پر حضرت زینبؓ اپنے تئیں سنبھال نہ سکیں اور بے اختیار رو پڑیں۔ انہوں نے کہا "واللہ تو نے میرے سردار کو قتل کر ڈالا! میرا خاندان مٹا ڈالا! میری شاخیں کاٹ دیں۔ میری جڑ اکھاڑ دی اگر اس سے تیرا دل ٹھنڈا ہو سکتا ہے تو ٹھنڈا ہو جائے" ابن زیاد نے مسکرا کر کہا۔ "یہ شجاعت ہے! تیرا باپ بھی شاعر اور شجاع تھا!" زینب نے کہا عورت کو شجاعت سے کیا سروکار ہے میری مصیبت نے مجھے شجاعت سے غافل کر دیا ہے۔ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں۔ یہ تو دل کی آگ ہے۔

ابن زیاد اور امام زین العابدین

اس گفتگو سے فارغ ہو کر ابن زیاد کی نظر زین العابدین بن حسینؓ بن علی پر پڑی۔ یہ بیمار تھے۔ ابن زیاد نے ان سے ان کا نام پوچھا۔ انہوں نے کہا "علی بن حسینؓ" ابن زیاد نے تعجب سے کہا "کیا اللہ نے علی بن حسین کو قتل نہیں کر ڈالا" زین العابدین نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ابن زیاد نے کہا۔ "بولتا کیوں نہیں" انہوں نے جواب دیا "میرے ایک اور بھائی کا نام بھی علی تھا۔ لوگوں نے اسے مار ڈالا" ابن زیاد نے کہا۔ "لوگوں نے نہیں خدا نے مارا ہے" اس پر زین العابدین نے یہ آیت پڑھی۔ اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ" "خدا ہی موت کے وقت جان لیتا ہے کوئی بھی بغیر اس کے اذن کے مر نہیں سکتا"

اس پر ابن زیاد چلایا "خدا تجھے مارے! تو بھی ان ہی میں سے ہے" پھر اس کے بعد ابن زیاد نے چاہا۔ انہیں قتل کر ڈالے۔ لیکن زینبؓ بے قرار ہو کر چیخ اٹھیں "میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں اگر تو مومن ہے۔ اور لڑکے کو ضرور ہی قتل کرنا چاہتا ہے تو

زیادہ کمینہ اور شریر بچہ کسی عورت نے نہیں پیدا کیا"

یزید اور امام زین العابدین

پھر یزید نے شام کے سرداروں کو اپنی مجلس میں بلایا۔ اہل بیت کو بھی بٹھایا۔ اور امام زین العابدین سے مخاطب ہوا " اے علی تمہارے باپ ہی نے میرا رشتہ کاٹا۔ میرا حق بھلایا۔ میری حکومت چھیننا چاہی۔ اس پر خدا نے اس کے ساتھ وہ کیا جو تم دیکھ چکے ہو۔ امام زین العابدین نے جواب میں یہ آیت پڑھی۔

ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذالک علی اللہ یسیرہ لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتکم واللہ لایحب کل مختال فخور"	تمہاری کوئی مصیبت بھی نہیں، جو پہلے سے لکھی نہ ہو۔ یہ خدا کے لئے بالکل آسان ہے۔ یہ اس لئے کہ نقصان پر تم افسوس نہ کرو۔ اور فائدہ پر مغرور نہ ہو۔ خدا مغروروں اور فخر کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔

یہ جواب یزید کو ناگوار ہوا۔ اس نے چاہا اپنے بیٹے خالد سے جواب دلوائے مگر خالد کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ تب یزید نے خالد سے کہا" کہتا کیوں نہیں"

ما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیرط	جو مصیبت بھی آتی ہے۔ خود تمہارے اپنے ہاتھوں آتی ہے۔ اور بہت سی غلطیاں تو خدا معاف کر دیتا ہے۔

پھر یزید دوسرے بچوں اور عورتوں کی طرف متوجہ ہوا۔ انہیں اپنے قریب بلا کر بٹھایا ان کی ہیئت خراب ہو رہی تھی۔ دیکھ کر متاسف ہوا۔ اور کہنے لگا" خدا ابن مرجانہ کا برا کرے۔ اگر تم سے اس کا رشتہ ہوتا تو تمہارے ساتھ ایسا سلوک نہ کرتا نہ اسس

جب تلواریں ان کے سروں پر پڑنے لگیں تو اس طرح سر طرف بھاگنے اور جھاڑیوں اور گڑھوں میں چھپنے لگے جس طرح کبوتر باز سے بھاگتے اور چھپتے ہیں۔ پھر ہم نے ان سب کا قلع قمع کر دیا۔ اس وقت ان کے لاشے برہنہ پڑے ہیں۔ ان کے کپڑے خون میں تر بتر ہیں۔ ان کے رخسار غبار سے میلے ہو رہے ہیں۔ گدوں کی خوراک بن رہے ہیں"

یزید رونے لگا

راوی کہتا ہے۔ یزید نے یہ سنا تو اس کی آنکھیں اشک بار ہو گئیں کہنے لگا۔ بغیر قتل حسینؓ کے بھی میں تمہاری اطاعت سے خوش ہو سکتا تھا۔ ابن سمیہ (ابن زیاد) پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں وہاں ہوتا۔ تو حسینؓ سے ضرور درگذر کرتا۔ خدا حسینؓ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے! قاصد کو یزید نے کوئی انعام نہیں (ابن جریر کامل۔ تاریخ کبیر ذہبی)

یزید کا تاثر

یزید کے غلام قاسم بن عبدالرحمان سے روایت ہے کہ جب حضرت حسینؓ اور ان کے اہل بیت کے سر یزید کے سامنے رکھے گئے تو اس نے یہ شعر پڑھا۔

یفلقن ھامامن رجال اعزۃ   علینا وھم کانوا اعق واظلما

تلواریں ان لوگوں کے سر پھاڑتی ہیں جو ہمیں عزیز ہیں۔ حالانکہ در اصل وہی حق فراموش کرنے والے ظالم تھے۔

"پھر کہا واللہ اے حسین! اگر میں وہاں ہوتا تو تجھے ہرگز قتل نہ کرتا"

اہل بیت دمشق میں

حضرت حسینؓ کے سر کے بعد ابن زیاد نے اہل بیت کو بھی دمشق روانہ کر دیا۔ شمر بن ذی الجوشن اور محضر بن ثعلبہ اس قافلہ کے سردار تھے۔ امام زین العابدین راستہ بھر خاموش رہے۔ کسی سے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ یزید کے دروازے پر پہنچ کر محضر بن ثعلبہ چلّایا میں امیرالمومنین کے پاس فاجر کمینوں کو لایا ہوں" یزید یہ سن کر خفا ہوا۔ کہنے لگا۔ "محضر کی ماں سے

بخشے!"

یزید کا مشورہ کرنا

دیر تک خاموشی رہی۔ پھر یزید شامی رؤسا اور امراء کی طرف متوجہ ہوا۔ اور کہنے لگا۔ ان لوگوں کے بارے میں کیا مشورہ دیتے ہو؟ بعضوں نے سخت کلامی کے ساتھ بدسلوکی کا مشورہ دیا مگر نعمان بن بشیر رضؓ نے کہا۔ ان کے ساتھ وہی کیجئے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اس حال میں دیکھ کر کرتے"

حضرت فاطمہ بنت حسین رضؓ نے یہ سن کر کہا۔ "اے یزید! یہ رسول اللہ کی لڑکیاں ہیں!" اس نسبت کے ذکر سے یزید کی طبیعت بھی متاثر ہوگئی۔ وہ اور درباری اپنے آنسو نہ روک سکے۔ بالآخر یزید نے حکم دیا کہ ان کے قیام کے لئے علیحدہ مکان کا انتظام کر دیا جائے۔

یزید کی بیوی کا غم

اسی اثنا میں اس واقعہ کی خبر یزید کے گھر میں عورتوں کو بھی معلوم ہوگئی۔ ہند بنت عبداللہ یزید کی بیوی نے منہ پر نقاب ڈالا اور باہر آکر یزید سے کہا۔ امیر المومنین! کیا حسینؓ بنت فاطمہؓ بنت رسولؐ اللہ کا سر آیا ہے؟ یزید نے کہا۔ "ہاں! تم خوب روؤ، بین کرو۔ رسولؐ اللہ کے نواسے اور قریش کے اصیل پر ماتم کرو۔ ابن زیاد نے بہت جلدی کی۔ قتل کر ڈالا۔ خدا اسے بھی قتل کرے"

حسین رضؓ کی اجتہادی غلطی

اس کے بعد یزید نے حاضرین مجلس سے کہا:۔

"تم جانتے ہو یہ سب کس بات کا نتیجہ ہے؟ یہ حسین کی اجتہاد کی غلطی کا نتیجہ ہے؟ انہوں نے سوچا میرے باپ یزید کے باپؓ سے افضل ہیں۔ میری ماں یزید کی ماں سے افضل ہے۔ میرا نانا یزید کے نانا سے

حال سے تمہیں میرے پاس نہ بھیجتا۔

حضرت زینب رض کی بیباکانہ گفتگو

حضرت فاطمہ بنت علی رض سے مروی ہے کہ جب ہم یزید کے سامنے بٹھائے گئے تو اس نے ہم پر ترس ظاہر کیا۔ ہمیں کچھ دینے کا حکم دیا۔ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اسی اثنا میں ایک سرخ رنگ کا شامی کھڑا ہوا۔ اور کہنے لگا۔ امیر المومنین یہ لڑکی مجھے عنایت کر دیجئے " اور میری طرف اشارہ کیا اس وقت میں کمسن اور خوبصورت تھی۔ میں خوف سے کانپنے لگی اور اپنی بہن زینب کی چادر پکڑ لی۔ وہ مجھ سے بڑی تھیں۔ زیادہ سمجھدار تھیں۔ جانتی تھیں۔ یہ بات ہو نہیں سکتی۔ انہوں نے پکار کر کہا۔ " تو کمینہ ہے۔ نہ تجھے اس کا اختیار ہے نہ اسے (یزید کو) اس کا حق ہے " اس جرأت پر یزید کو غصہ آگیا اور کہنے لگا " تو جھوٹ بکتی ہے۔ واللہ مجھے یہ حق حاصل ہے اگر چاہوں تو ابھی کر سکتا ہوں " زینب نے کہا " ہرگز نہیں۔ خدا نے تمہیں ہرگز یہ حق نہیں دیا۔ یہ بات دوسری ہے کہ تم ہماری ملت سے نکل جاؤ اور ہمارا دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کر لو "۔ یزید اور بھی خفا ہو کر کہنے لگا " دین سے تیرا باپ اور تیرا بھائی نکل چکا ہے "۔ زینب نے بلا تامل جواب دیا۔ اللہ کے دین سے، میرے باپ کے دین سے، میرے بھائی کے دین سے، میرے نانا کے دین سے تو نے تیرے باپ نے تیرے دادا نے ہدایت پائی ہے۔ یزید چلایا " اے دشمن خدا تو جھوٹی ہے " زینب بولیں۔ تو زبردستی حاکم بن بیٹھا ہے۔ ظلم سے گالیاں دیتا ہے۔ اپنی قوت سے مخلوق کو دباتا ہے "۔

حضرت فاطمہ بنت علی کہتی ہیں۔ یہ گفتگو سن کر شاید یزید شرمندہ ہو گیا کیونکہ پھر کچھ نہ بولا۔ مگر وہ شامی پھر کھڑا ہوا۔ اور وہی بات کہی۔ اس پر یزید نے غضبناک آواز میں اسے ڈانٹ بتائی " دور ہو، کمبخت! خدا تجھے موت کا تحفہ

یزید کا دستور تھا روز صبح و شام کھانے میں علی بن حسینؓ کو اپنے ساتھ شریک کیا کرتا تھا۔ ایک دن حضرت حسنؓ کے کمسن بچے عمرو کو بھی بلایا۔ اور ہنسی سے کہنے لگا۔ تو اس سے لڑے گا۔ اور اپنے لڑکے خالد کی طرف اشارہ کیا۔ عمرو بن حسنؓ نے اپنے بچپنے کے بھولے پن میں جواب دیا۔ "یوں تو ایک چھری مجھے دو۔ ایک چھری اسے دو، پھر ہماری لڑائی دیکھو" یزید کھلکھلا کر ہنس پڑا۔ اور عمر بن حسن کو گود میں اٹھا کر سینے سے چمٹا لیا۔ اور کہا۔

"سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے"

یزید کی زود پشیمانی

یزید نے اہل بیت کو کچھ دن اپنا مہمان رکھا۔ اپنی مجلسوں میں ان کا ذکر کرتا اور بار بار کہتا۔ کیا حرج ہوتا۔ اگر میں خود تھوڑی سی تکلیف گوارا کر لیتا۔ حسینؓ کو اپنے گھر میں اپنے پاس رکھتا۔ ان کے مطالبہ پر غور کرتا اگرچہ اس کی وجہ سے میری قوت میں کچھ کمی ہی کیوں نہ پڑ جاتی۔ لیکن اس سے رسول اللہ صلعم کے حق اور رشتہ داری کی تو حفاظت ہوتی۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ (یعنی ابن زیاد) پر جس نے حسینؓ کو لڑائی پر مجبور کیا۔ حسینؓ نے کہا تھا۔ میرے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیں گے یا مسلمانوں کی سرحدوں پر جا کر جہاد میں مصروف ہو جائیں گے مگر ابن زیاد نے ان کی بات نہ مانی اور قتل کر ڈالا۔ ان کے قتل نے تمام مسلمانوں میں مجھے مبغوض بنا دیا۔ خدا کی لعنت ابن مرجانہ پر، خدا کا غضب ابن مرجانہ پر!

اہل بیت کو رخصت کرنا

پھر جب اہل بیت کو مدینہ بھیجنے لگا۔ تو امام زین العابدین سے ایک مرتبہ اور کہا۔ "ابن مرجانہ پر خدا کی لعنت! واللہ اگر میں حسینؓ کے ساتھ ہوتا اور وہ میرے سامنے اپنی شرط پیش کرتے تو میں اسے ضرور منظور کر لیتا۔ میں ان کی جان ہر ممکن ذریعہ سے

افضل ہیں۔ اور خود میں بھی یزید سے افضل ہوں۔ اس لئے حکومت کا بھی یزید سے زیادہ مستحق ہوں۔ حالانکہ۔ ان کا یہ سمجھنا کہ ان کے والد میرے والد سے افضل تھے صحیح نہیں۔ علی اور معاویہ نے باہم جھگڑا کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ کس کے حق میں فیصلہ ہوا؟ رہا ان کا یہ کہنا کہ ان کی ماں میری ماں سے افضل تھی۔ تو بلاشبہ یہ ٹھیک ہے۔ فاطمہ بنت رسول اللہ میری ماں سے افضل تھی۔ اسی طرح ان کا یہ کہنا کہ ان کے نانا میرے نانا سے افضل تھے۔ تو قسم خدا کی، کوئی بھی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والا رسول اللہ سے افضل بلکہ رسول کے برابر کسی انسان کو نہیں سمجھ سکتا حسینؓ کے اجتہاد نے غلطی کی۔ وہ یہ آیت بالکل بھول گئے۔

" اللھم مالك الملك تؤتی الملك من تشاء وتنزع الملك ممن تشآء وتعز من تشآء وتذل من تشآء بيد الخير انك على كل شئ قدير

پھر اہل بیت کی خواتین، یزید کے محل میں پہنچائی گئیں۔ خاندان معاویہؓ کی عورتوں نے انہیں اس حال میں دیکھا۔ تو بے اختیار پیٹنے لگیں۔

یزید کی سعی تلافی

پھر یزید آیا۔ تو فاطمہ بنت حسین نے اس سے کہا۔ "اے یزید کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لڑکیاں کنیزیں ہو گئیں ؟"

یزید نے جواب دیا۔ اے میرے بھائی کی بیٹی! ایسا کیوں ہونے لگا" ؟ فاطمہ نے کہا۔ "بخدا ہمارے کان میں ایک بالی بھی نہیں چھوڑی گئی" یزید نے کہا۔ "تم لوگوں کا جتنا گیا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ تمہیں دونگا" چنانچہ جس نے اپنا جتنا نقصان بتایا۔ اس سے دگنا تگنا دے دیا گیا۔

عشرہ محرّم الحرام

دنیا میں ہر چیز مرجاتی ہے کہ فانی ہے مگر خونِ شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیاتِ الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں، کبھی بھی فنا نہیں.

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

شمع ہا بُردہ ام از صدق بخاک شہدأ
تادل و دیدۂ خونناب بہ فشانم دادند

آئیے سب سے پہلے آج ایک بھولی ہوئی صحبتِ ماتم کو پھر تازہ کریں. کتنے دن گذر گئے کہ راہ و رسمِ ماتم و شیون سے ناآشنا ہیں۔ نہ صدائے ماتم کی نغاں سنجی ہے اور نہ چشمِ خونبار کی اشک افشانی۔ کاروبارِ غم کی رونق افسردہ ہو چکی ہے۔ اور روز بازارِ درد کی چہل پہل مدت سے موقوف ہے۔

نہ داغِ تازہ می خارد، نہ زخمِ کہنہ می کارد
بدہ یارب دلے کیں صورتِ بیجاں نمی خواہم

طرابلس کے خون آلود ریگستان کو اگر لوگوں نے بھلا دیا مشہد مقدس اور تبریز کا قصۂ الم اگر ذہنوں سے محو ہو گیا مقدونیہ اور البانیہ کے تازہ ترین افسانہ ہائے

سمجھا تا اگرچہ ایسا کرنے میں خود میرے کسی بیٹے کی جان چلی جاتی۔ لیکن خدا کو وہی منظور تھا جو ہو چکا۔ دیکھو مجھ سے برابر خط و کتابت کرتے رہنا جو ضرورت بھی پیش آئے خبر دینا۔ بعد میں حضرت سکینہ کہا کرتی تھیں میں نے کبھی کوئی ناشکرا انسان یزید سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والا نہیں دیکھا۔

اہل بیت کی فیاضی

یزید نے اہل بیت کو اپنے ایک معتبر آدمی اور فوج کی حفاظت میں رخصت کر دیا۔ اس شخص نے راستہ بھر ان مصیبت زدوں سے اچھا برتاؤ کیا۔ جب منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ تو حضرت زینب بنت علیؓ اور حضرت فاطمہ بنت حسینؑ نے اپنی چوڑیاں اور کنگن اسے بھیجے اور کہا "یہ تمہاری نیکی کا بدلہ ہے۔ ہمارے پاس کچھ نہیں ہے کہ تمہیں دیں" اس شخص نے زیور واپس کر دیئے اور کہلایا۔ "واللہ میرا یہ برتاؤ کسی دنیاوی طمع سے نہیں تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے تھا"

مدینہ میں ماتم

اہل بیت کے آنے سے بہت پہلے مدینہ میں یہ جانگسل خبر پہنچ چکی تھی۔ بنی ہاشم کی خاتونوں نے سنا تو گھروں سے چلاتی ہوئی نکل پڑیں حضرت عقیل بن ابی طالب کی صاحبزادی آگے آگے تھیں اور یہ شعر پڑھتی جاتی تھیں۔

ماذا تقولون ان قال النبی لکم　　ماذا فعلتم وانتم آخر الامم

کیا کہو گے جب نبی تم سے سوال کریں گے کہ اے وہ جو سب سے آخر امت ہو

بعترتی وباھلی بعد مفتقدی　　منھم اساری ومنھم ضرجوا بدم

تم نے میری اولاد اور خاندان سے میرے بعد یہ کیا سلوک کیا کہ ان میں سے بعض قیدی ہیں اور بعض خون میں نہائے پڑے ہیں؛

کے اندر دیکھا ہے؟ اور کتنی آنکھیں ہیں، جو حسین بن علیؑ شہید پر گریہ و بکا کرتے ہوئے اس اسوۂ حسنہ کو بھی سامنے رکھتے ہیں۔ جو اس حادثہ عظمیٰ کے اندر موجود ہے؟

فی الحقیقت یہ حق و صداقت، آزادی و حریت، امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی ایک عظیم الشان انسانی قربانی تھی جو صرف اس لئے ہوئی تاکہ پیروانِ اسلام کے لئے ایک اسوۂ حسنہ پیش کرے، اور اس طرح جہاد حق و عدالت اور اس ثبات و استقامت کی ہمیشہ کے لئے ایک کامل ترین مثال قائم کر دے۔ پس جو بے خبر ہیں۔ ان کو رونا چاہئے۔ ان لم تبکوا فتباکو!

اور جو روتے ہیں ان کو رونے ہی پر اکتفا نہ کرنا چاہئے۔ ان کے سامنے سید الشہدا نے اپنی قربانی کا اسوۂ حسینہ پیش کر دیا ہے۔ اور کسی روح کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ محبت حسینؑ کی مدعی ہو، جب تک کہ اسوۂ حسینی کی متابعت کا اپنے اعمال کے اندر سے ثبوت نہ دے!

دنیا میں ہر چیز مر جاتی ہے کہ فانی ہے۔ مگر خون شہادت کے ان قطروں کے لئے جو اپنے اندر حیات الٰہیہ کی روح رکھتے ہیں، کبھی بھی فنا نہیں۔

کشتگانِ خنجر تسلیم را
ہر زماں از غیب جانے دیگر است

سب سے پہلا نمونہ جو یہ حادثہ عظیمہ ہمارے سامنے پیش کرتا ہے، دعوت الی الحق اور حق و حریت کی راہ میں اپنے تئیں قربان کرنا ہے۔

بنی امیہ کی حکومت ایک غیر شرعی حکومت تھی۔ کوئی حکومت جس کی بنیاد جبر و شخصیت پر ہو، کبھی بھی اسلامی حکومت نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اسلام کی روح حریت و جمہوریت کو غارت کیا اور مشورہ و اجتماع امت کی جگہ محض غلبہ جابرانہ اور مکر و خدع پر اپنی شخصی حکومت کی بنیاد رکھی۔ ان کا نظام حکومت شریعت الٰہیہ نہ تھا

خونیں اگر فکروں سے فراموش ہو گئے، تو کچھ مضائقہ نہیں۔ ارباب درد و غم کے لئے ایک ایسی داستانِ الم صدیوں سے موجود ہے، جو کبھی بھلائی نہیں جا سکتی۔ اور اگر لوگ اسے بھلا بھی دیں تو بھی ہر سال چند ایسے ماتم آلود دن تازگیِ زخم کہن کے لئے آ موجود ہوتے ہیں۔ جو از سرِ نو تیرہ سو برس پیشتر کے ایک حادثۂ عظیمہ کی یاد پھر سے تازہ کر دیتے ہیں۔ اس سے میرا اشارہ حادثۂ ہائلۂ کبریٰ یعنی شہادت حضرت سید الشہدأ علیہ و علیٰ اجدادہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف ہے۔ عظم اللہ اجورنا بمصائبنا۔

وقت است کہ در پیچ و خم نوحہ سرائی　　سوز و نفس نوحہ گر از تلخ نوائی
وقت است کہ پردگیاں کر زہ تعظیم　　بر درگہ شاں کردہ فلک ناصیہ سائی
از خیمۂ آتش زدہ عریاں بدر آیند　　چوں شعلہ دخاں بر سر شاں کردہ روائی
جاں کہ ہمہ فرسودۂ تشویش اسیری　　دل ہا ہمہ خوں گشتہ اندوہِ رہائی

تنہاست حسین ابن علی در صفِ اعداء
اکبر! تو کجا رفتی، و عباس، کجائی

سچ یہ ہے کہ جن مردہ دلوں کو زندگی کے لئے سوز و تپش کی ضرورت ہو، جن ارباب درد کو روح کی راحت کے لئے جسم کے ماتم کی تلاش ہو۔ جن کی زبانیں آہ و فغاں کو محبوب اور جن کی آنکھیں خوننابہ فشانی کو اپنا مطلوب و مقصود سمجھتی ہوں۔ ان کی صحبت ماتم و الم کی رونق کے لئے یہی افسانہ اتنا کچھ سامانِ غم اپنے اندر رکھتا ہے کہ اگر خون کے بڑے بڑے سیلاب سمندروں کی روانی سے بہہ جائیں اور بے شمار لاشوں کی تڑپ سے زمین کے بڑے بڑے قطعات یکسر جنبش میں آ جائیں، جب بھی ان کی نداء حال اس الہام سرائی سے قاصر رہے گی، جو اس کے ایک ایک لفظ کے اندر سے توصیہ فرمائے عبرت و بصیرت ہے۔

لیکن آہ۔ کتنے دل ہیں جنہوں نے اس واقعہ کو اس کے حقیقی بصائر و معارف

اور چند انسانوں کا خون بہا دینے سے کیا حاصل ہے ؟ توپ و تفنگ اور تخت و سلطنت کا مقابلہ کس نے کیا ہے کہ ہم کریں ؟

آخری سوال کا جواب دے سکتا ہوں : تاریخ عالم کی صدہا امثال مقدسہ و محترمۂ جہاد سے قطع نظر، تمہارے سامنے خود مظلوم کربلا کی مثال موجود ہے، تم کہتے ہو کہ چند انسانوں نے حکومتوں کی قوتوں اور ساز و سامان کا مقابلہ کب کیا ہے کہ کبھی کبھی کیا جائے ؟ میں کہتا ہوں کہ حسین ابن علیؓ نے صرف بہتر (۷۲) یا باسٹھ (۶۲) بھوکے انسانوں کے ساتھ اس عظیم الشان حکومت قاہر و جابر کا مقابلہ کیا جس کے حدودِ سلطنت ملتان اور سرحدِ فرانس تک پھیلنے والے تھے۔

اور گویہ سچ ہے کہ اس[1] نے اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے دل کے ٹکڑوں کو بھوک اور پیاس کی شدت سے تڑپتے دیکھا، اور پھر ایک ایک کر کے ان میں سے ہر وجود مقدس خاک و خون میں تڑپا اور جان بحق تسلیم ہوا۔

اور یہ بھی سچ ہے کہ وہ دشمنوں سے نہ تو پینے کے لئے پانی چھین سکا اور نہ زندہ رہنے کے لئے اپنی غذا حاصل کر سکا۔ اور اس میں بھی شک نہیں کہ بالآخر سر سے لے کر پیر تک وہ زخموں سے چور ہوا، اور اس خلعتِ شہادتِ لالہ گوں سے آراستہ ہو کر تیار ہوا تاکہ اس کرشمہ ساز عجائب کے حریم وصال میں پہنچے، جو دوستوں کو خاک و خون میں تڑپاتا اور دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔

اُرید وصالہ و یرید قتلی

تاہم فتح اس کی تھی، اور فیروزمندی و کامرانی کا تاج صرف اسی کے زخم خوردہ سر پر رکھا جا چکا تھا۔ وہ تڑپا اور خاک و خون میں لوٹا، پر اپنے اس خون کے ایک ایک قطرہ سے جو عالم اضطراب میں اس کے زخموں سے ریگ و سنگ پر بہتا تھا، انقلاب

---

[1] مراد حضرت حسین علیہ السلام

بلکہ محض اغراض نفسانیہ و مقاصد سیاسیہ۔ ایسی حالت میں ضرور تھا کہ ظلم و جبر کے مقابلہ کی ایک مثال قائم کی جاتی اور حق و حریت کی راہ میں جہاد کیا جاتا۔

حضرت سید الشہداء نے اپنی قربانی کی مثال قائم کرکے مظالم بنی امیہ کے خلاف جہادِ حق کی بنیاد رکھی۔ اور جس حکومت کی بنیاد ظلم و جبر پر تھی، اس کی اطاعت و وفاداری سے انکار کر دیا۔

پس یہ نمونہ تعلیم کرتا ہے کہ ہر ظالمانہ و جابرانہ حکومت کا علانیہ مقابلہ کرو اور کسی ایسی حکومت سے اطاعت و وفاداری کی بیعت نہ کرو۔ جو خدا کی بخشی ہوئی انسانی حریت و حقوق کی غارت گر ہو، اور جس کے احکام مستبدہ و جابرہ کی بنیاد صداقت و عدالت کی جگہ جبر و ظلم پر ہو۔

مقابلے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ تمہارے پاس قوت و شوکتِ مادی کا وہ تمام ساز و سامان بھی موجود ہو جو ظالموں کے پاس ہے کیونکہ حسین رضؓ ابن علی رضؓ کے ساتھ چند ضعفاء و مساکین کی جمعیت قلیلہ کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ حق و صداقت کی راہ نتائج کے فکر سے بے پرواہ ہے۔ نتائج کا مرتب کرنا تمہارا کام نہیں۔ یہ اس قوت قاہرہ عادلۂ الٰہیہ کا کام ہے جو حق کو باوجود ضعف و فقدان انصار کے کامیاب و فتح مند کرتی اور ظلم کو باوجود جمعیت و عظمتِ دنیوی کے نامراد و نگوں سار کرتی ہے۔

کم من فئة قليلة	کتنی ہی چھوٹی جماعتیں ہیں
غلبت فئة كثيرة	جو بڑی جماعتوں پر حکم الٰہی سے
باذن الله (۲: ۲۴۹)	غالب آگئیں

ایسے موقعوں پر ہمیشہ مصلحت اندیشیوں کا خیال دامن گیر ہوتا ہے۔ جو نفس اگرچہ عقل و دانائی کا ایک فرشتہ ہے، لیکن کبھی کبھی شیطانِ رجیم بھی اس کے بھیس میں آکر کام کرنے لگتا ہے۔ نفس خادع حیلہ تراشیاں کرتا ہے کہ صرف اپنے تئیں کٹوا دینے

اور ظلم کا صاحبِ شوکت و عظمت ہونا اس کے لئے کوئی الٰہی سند نہیں ہے کہ اس کی اطاعت ہی کر لی جائے۔ ظلم خواہ ضعیف ہو، خواہ قوی، ہر حال میں اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ ظلم ہے اور حق و صداقت ہر حال میں یکساں اور غیر متزلزل ہے۔

حق و عدالت کی رفاقت کی آزمائشیں زہرہ گداز اور شکیب ربا ہیں۔ قدم قدم پر حفظِ جان و ناموس اور محبتِ فرزند و عیال کے کانٹے دامن کھینچتے ہیں لیکن یہ اسوۂ حسنہ مومنین مخلصین کو درس دیتا ہے کہ اس راہ میں قدم رکھنے سے پہلے اپنی طلب و ہمت کو اچھی طرح آزمالیں۔ ایسا نہ ہو کہ چند قدموں کے بعد ہی ٹھوکر لگے۔

جُرم را ایں جا عقوبت ہست و استغفار نیست۔

اس تمثیل جادۂ حق و صداقت کے چاروں طرف جو کچھ تھا، اس کا اعادہ ضروری نہیں کہ سب کو معلوم ہے۔ خدا تعالے نے اپنی آزمائشوں کے متعدد درجے بیان کئے ہیں۔

ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات وبشر الصابرین الذین اذا اصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون (۲) ۱۵۵، ۱۵۶

اللہ تعالیٰ تمہیں آزمائشوں میں ڈالے گا۔ وہ خوف و ہراس بھوک اور پیاس نقصان مال و جان اور ہلاکت اولاد اقارب میں مبتلا کرکے تمہارے صبر و استقامت کو آزمائے گا پس اللہ کی طرف سے بشارت ہے ان کیلئے جن کے ثبات و استقامت کا یہ حال ہے کہ جب مصائب میں مبتلا ہوتے ہیں۔ تو اپنے تمام معاملات کو یہ کہکر اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں کہ: "انا للہ وانا الیہ راجعون"

خوف و ہراس، بھوک اور پیاس، نقصان اموال و متاع، قتل نفس و اولاد یہی چیزیں انسان کے لئے اس دنیا میں انتہائی مصیبتیں ہو سکتی ہیں۔ اس لئے ان ہی چیزوں کو راہِ الٰہی کے لئے آزمائش قرار دیا گیا ہے۔

لیکن مظلوم کربلا کے سامنے یہ تمام مرحلے ایک ایک کرکے موجود تھے۔ وہ ان تمام

وتعیرات کے وہ سیلاب ہائے آتشیں پیدا کر دیئے جن کو نہ تو مسلم بن عقبہ کی خون آشامی روک سکی۔ نہ حجاج کی بے امان خونخواری، اور نہ عبد الملک کی تدبیر و سیاست وہ بڑھتے اور بھڑکتے ہی رہے ظلم و جبر کا پانی تیل بن کر ان کے شعلوں کی پرورش کرتا رہا۔ اور حکومت و تسلط کا غرور ہوا بن کر ان کی ایک چنگاری کو آتش کدۂ سوزاں بناتا رہا۔ یہاں تک کہ آخری وقت آ گیا۔ اور جو کچھ سنہ ۶۶ھ میں کربلا کے اندر ہوا تھا وہ سب کچھ سنہ ۱۳۲ھ میں نہ صرف دمشق، بلکہ تمام عالمِ اسلامی کے اندر ہوا۔ صاحبانِ تاج و تخت خاک و خون میں تڑپے، ان کی لاشیں گھوڑوں کے سموں سے پامال کی گئیں۔ فتح مندوں نے قبریں تک اکھاڑ ڈالیں اور مُردوں کی ہڈیوں تک ذلت و حقارت سے محفوظ نہ چھوڑا۔ اور اس طرح :۔

وسیعلم الذین ظلموآ ای منقلب ینقلبون

(۲۶ : ۲۲۷)

بہت جلد ظالم لوگ اس بات کو جان لیں گے کہ کس جگہ وہ سب لوٹائے جائیں گے۔

کا پورا پورا ظہور ہوا۔

پھر کیا یہ سب کچھ جو ہوا، وہ محض ابراھیم عباسی کی دعوت اور ابو مسلم خراسانی کی خفیہ ریشہ دوانیوں ہی کا نتیجہ تھا؟ کیا یہ اسی خون کا اعجاز نہ تھا۔ جو فرات کے کنارے بہایا گیا تھا؟ پھر یہ فتح مندی تو بہ حسب ظاہر ہے جس کے نتائج کے لئے ایک صدی کا انتظار کرنا پڑا۔ ورنہ فی الحقیقت مظلومیت کا خون جس وقت بہتا ہے اسی وقت اپنی معنوی فتح مندی حاصل کر لیتا ہے۔

بہر حال یہ تو حق و صداقت کی قربانیوں کے نتائج ہیں۔ جو کبھی ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتے لیکن حضرت سید الشہداء کا اسوۂ حسنہ بتلاتا ہے کہ تم ان نتائج کی ذرا پرواہ نہ کرو۔ اگر ظلم اور جابرانہ حکومت کا وجود ہے۔ تو اس کے لئے حق کی قربانی ناگزیر ہے اور اسے ہونا ہی چاہئے۔ تعداد کی قلت و کثرت یا سامان و وسائل کا فقدان اس پر موثر نہیں ہو سکتا

عزیزو اقارب، اہل و عیال، اور فرزند و احباب کے ساتھ دشتِ غربت و مصائب میں محصورِ اعدا ہونا، اپنی آنکھوں کے سامنے اپنے جگر گوشوں کو شدتِ عطش و جوع سے آہ و فغاں کرتے ہوئے دیکھنا، پھر ان میں سے ایک ایک کی خون آلود لاش کو اپنے ہاتھوں سے اٹھانا حتیٰ کہ اپنے طفلِ شیر خوار کا بھی تیر ظلم و بربریت سے نخچیر پانا، مگر با ایں ہمہ راہ حق و صداقت میں جو پیمانِ صبر و استقامت باندھا تھا۔ اس کا ایک لمحہ بلکہ عشر دقیقہ کے لئے بھی متزلزل نہ ہونا، اور حق کی راہ میں جس قدر مصائب و اندوہ پیش آئیں سب کو شکر و منت کے ساتھ برداشت کرنا کہ:۔ رضینا بقضاء اللہ و صبرنا علی بلائہ:

پیکان ترا بجاں خریدار ۔۔۔۔۔ من مرہم دیگراں نخواہم

دوست کے ہاتھ سے جامِ زہر بھی ملتا ہے تو تشنہ کامان زلال محبت اسے غیروں کے جامِ شہد و شکر پر ترجیح دیتے ہیں:۔

اے جفاہائے تو خوشتر از وفائے دگراں

آج بھی اگر گوشِ حقیقت نیوش باز ہو تو خاکِ کربلا کا ایک ایک ذرہ توصیہ فرمائے صبر و استقامت ہے۔

شدیم خاک و لیکن بہوئے تربت ما ۔۔۔۔۔ تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

افسوس کہ تفصیل مطالب کا ارادہ نہیں اور وقت و گنجائش مقتضی اجمال دا ہے، اگر اس صبر و استقامت کے اسوۂ حسنہ کو دیکھنا چاہتے ہو تو خدا را اسفار تاریخ کی طرف توجہ کرو۔ صرف ایک روایت یہاں لکھوں گا، تاکہ جو لوگ خاندانِ نبوت اور عترت حضرت رسالت کی محبت کا دعویٰ رکھتے ہیں، وہ غور کریں کہ ادعاءِ محبت بغیر متابعت بیکار ہے۔

ان المحب لمن یحب یطیع

حضرت امام علی بن الحسین الشہیر بہ زین العابدین کہتے ہیں۔

انی لجالس فی العشیۃ التی قتل ابی الحسین فی صبیحتہا و عمتی

مصائب سے ایک لمحہ کے اندر نجات پاکر آرام و راحت اور شوکت و عظمت حاصل کر سکتا تھا۔ اگر حکومت ظالمہ کی وفاداری و اطاعت کا عہد کر لیتا۔ اور حق و صداقت سے روگردانی کے لئے مصلحتِ وقت کی تاویل پر عمل کرتا۔ پر اس نے خدا کی مرضی کو اپنے نفس کی مرضی پر ترجیح دی۔ اور حق کا عشق، زندگی اور زندگی کی محبتوں پر غالب آگیا۔ اس نے اپنا سر دے دیا کہ انسان کے پاس حق کے لئے یہی ایک آخری متاع ہے۔ پر اطاعت و اقرارِ وفاداری کا ہاتھ نہ دیا۔ جو صرف حق و عدالت ہی کے آگے بڑھ سکتا تھا۔

ومن الناس من یشتری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ واللہ رؤف بالعباد (۲: ۲۰۷)

اور جو لوگ اللہ کی خوشنودی کی طلب میں جانیں تک فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ بھی اپنے بندوں کے لئے شفقت و مہربانی رکھنے والا ہے۔

سب سے بڑا اسوۂ حسنہ کہ اس حادثۂ عظیمہ کی لسانِ حال اس کی ترجمانی کرتی ہے راہِ مصائب و جہادِ حق میں صبر و استقامت اور عزم و ثبات ہے کہ۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا (۴۱: ۳۰)

بلا شبہ جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہی ہے اور پھر اس بات پر قائم رہے۔

دوسری جگہ کہا:۔

فاستقم کما امرت (۱۱: ۱۱۲)

پس چاہئے کہ جس طرح تمہیں حکم دیا گیا ہے (اے نبی) قائم رہیں (اپنی راہ میں) استوار ہو جاؤ۔

وللہ در ما قال

روئے کشادہ باید و پیشانیٔ فراخ
آں جا کہ لطمہ ہائے ید اللہ می زنند

فی الحقیقت اس شہادتِ عظیمہ کی سب سے بڑی مزیت خصوصیت یہ ہے کہ اپنے

ہوتی ہیں۔ وہ ماتم کناں چلا اٹھیں کہ واحسرتا! وامصیبتا الیوم ماتت فاطمۃ وعلیؓ والحسنؓ بن علیؓ!

لیکن حضرت حسینؓ نے یہ حالت دیکھی تو ان کی جانب متوجہ ہوئے اور کہا اے بہن! یہ کیا بے صبری اور کیسا جزع وفزع ہے؟ اللہ سے ڈرو کہ موت یقیناً ایک آنے والی چیز ہے اور اس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

لیکن حضرت زینبؓ شدتِ غم وحزن سے مضطرب تھیں۔ وہ دیکھ رہی تھیں کہ آنے والی صبح کن واقعات خونیں کے ساتھ طلوع ہوگی۔ فرطِ غم میں انہوں نے اپنا چہرہ پیٹ لیا، گریبان پھاڑ ڈالا۔ اور واویلا! واحسرتا! پکارتی ہوئی بے ہوش اپنے بھائی پر گر پڑیں۔ حضرت حسینؓ نے یہ حالت دیکھ کر ان کے منہ پہ پانی ڈالا۔ اور جب ہوش میں آئیں تو فرمایا:۔ اے بہن! یہ کیسا غم وحزن ہے جو تم کر رہی ہو؟ تمہیں چاہئیے کہ اللہ کے حکم وفرمان کے مطابق جو طریق عزا وحزن وغم ہے اُسے اختیار کرو۔ کیونکہ میرے لئے اور ہر ایک مسلم کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ان کے اعمال وافعال اتباع اور پیروی کے لئے بہترین نمونہ ہیں۔

اللہ اکبر! خاندان نبوت کے اس مرتبۂ رفیع اور اس درجۂ عظیم کو دیکھئے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ کس طرح ان کے سامنے تھا۔ اور "لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ" کے حکم کے آگے کس طرح انہوں نے اپنے جذبات اور خواہشوں کو قربان کر دیا تھا؟ ایسے سخت اور زہرہ گداز موقع پر بھی اپنی بہن کا جزع فزع گوارا نہ ہوا۔ اور بجائے عام الفاظ صبر وتشفی کہنے کے فرمایا تو یہ فرمایا۔ کہ فان لی ولکل مسلم اسوۃ فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

پھر آج کتنے مدعیان محبت اہل بیت کرام ہیں جو اس اُسوۂ حسنہ کے اتباع کا اپنے اعمال سے ثبوت دے سکتے ہیں؟

زینب نرضمی اذ دخل الی وھو یقول

صیل
یا دھر اُف لک من خلیل — کم لک فی الاشراق والا

من طالب وصاحب قتیل — والدھر لا یقنع بالبدیل

وانما الامر الی الجلیل — وکل حی سالک السبیل

نفہمت ماقال وعرفت واراد وخنقتنی عبرتی وردرت دمعی و

عرفت ان البلاء قد نزل بنا واما عمتی زینب فانھا لما سمعت ما سمعت

والنساء من شانھن الرقۃ والجزع فلم تملک ان وثبت تجر

ثوبھا حاسرۃ وھی تقول واثکلاہ لیست الموت اعدمنی الحیاۃ الیوم

ماتت فاطمہ وعلی والحسن بن علی اخی فنظر الیھا فردد غصۃ ثم

قال: یا اختی اتقی اللہ فان الموت نازل لامحالۃ فلطمت وجھھا

وشقت جیبھا وخرت مغشیا علیھا وصاحت واویلا واثکلاہ !

فتقدم الیھا فصب علی وجھھا الماء وقال لھا یا اختاہ تعزی

بعزاء اللہ فان لی ولکل مسلم اسوۃ برسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم۔ (تاریخ یعقوبی مطبوعہ لیڈن جلد دوم صفحہ ۲۹۰)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت امام علی بن حسین زین العابدین علیہ السلام کہتے ہیں:۔
جس رات کی صبح کو میدانِ شہادت گرم ہونے والا تھا، عین اسی شب کا واقعہ ہے
کہ میں بیمار پڑا تھا میری پھوپھی زینب میری تیمارداری میں مصروف تھیں، اتنے میں حضرت
امام حسینؓ داخل ہوئے۔ وہ چند اشعار پڑھ رہے تھے جنہیں سن کر میں سمجھ گیا کہ ان کا ارادہ
کیا ہے، میری آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہم پر ابتلاء
الٰہی نازل ہو گئی ہے اور اب اس سے چارہ نہیں۔
مگر حضرت زینب ضبط نہ کرسکیں کیونکہ قدرتی طور پر عورتیں زیادہ رقیق القلب

میں جو طریقہ سب سے زیادہ مقبول ہوا۔ وہ وہی ہے جس کی بنیاد دنیا کی بت پرستی نے رکھی۔ اور در اصل اصنام پرستی کی زنجیر عمل کی پہلی اور آخری کڑی اسی کو سمجھنا چاہیئے۔ پہلی اس لیئے کہ بسا اوقات انسانوں نے اسی راہ سے اصنام پرستی کی منزل پائی۔ اور آخری اس لیئے کہ بت پرستی خود تو چلی گئی۔ مگر اپنا نقش قدم اس شکل میں اب تک چھوڑ گئی ہے

ہمارا اشارہ اسلاف پرستی کے اس طریقہ کی طرف ہے جس کی بنا پر مشاہیر ملک و قوم کے راسٹیچوز بنائے جاتے ہیں اور ان کو اس لیئے نصب کیا جاتا ہے تاکہ ان کے ذریعہ قوم کو ہمیشہ مشاہیر کی یاد دلائی جائے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی ہدایت ملے۔

اگرچہ اسلاف پرستی کا یہ نہایت قدیم طریقہ تھا۔ اور حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے تک اس قسم کے متعدد مجسمے قائم ہو چکے تھے۔ اور ان کی علانیہ پرستش کی جاتی تھی۔ لیکن یونان و مصر نے ان مجسموں پر تمدن و تہذیب کا آب و رنگ چڑھا کر ان کو اور بھی شاندار و دلفریب بنا دیا۔ آج یورپ بانیان تہذیب و تمدن کے دیوتاؤں کی جو نمائش مجسموں کی شکل میں کر رہا ہے۔ ان کے اندر یونان کی اس قدیم تہذیب کا عکس صاف نظر آتا ہے۔ ہندؤں کی مذہبی سطح پر بھی تصویروں کی جو صفیں نظر آ رہی ہیں اُن میں بھی اس کی جھلک پائی جاتی ہے۔

ظہور اسلام کی برکات

لیکن اسلام کی ایک دین خالص تھا۔ جو توحید خالص کو قائم کرنا چاہتا تھا اور انسانی عظمت کی ان تمام راہوں کا ہمیشہ کے لیئے دروازہ بند کر دینا چاہتا تھا۔ جو کسی حال میں بھی الٰہی عظمت کے نقطہ تک نہ پہنچ سکتی تھیں یا قریب ہو سکتی تھیں۔ پس وہ کسی طرح بھی قیام ذکر و بقائے عظمت کا ایسا طریق اختیار نہیں کر سکتا تھا جس میں پڑ کر دنیا بار بار ٹھوکر کھا چکی تھی۔

اسلام نے ظاہر ہوتے ہی دنیا کے تمام اعمال و معمولات پر نظر ڈالی۔ اور ہر عمل کی

شہادت حسینؓ اور اسلام

اسلام نے ظاہر ہوتے ہی دنیا کے تمام اعمال و معمولات پر نظر ڈالی۔ اور ہر عمل کی حقیقت و روح کو لے لیا اور غیر مناسب و ناموزوں جسم و لباس کو چھوڑ دیا۔

واقعہ شہادت کو اسرارِ شریعت اسلامیہ کا سرچشمہ بنانا چاہیئے۔ حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر ماتم کرنے کا یہ ایک نتیجہ خیز طریق ہوگا۔ اور شریعت نے امت محمدیہ کو اسی قسم کے طریق ماتم کی ہدایت فرمائی۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلام میں ہمیشہ خون آلود حرفوں میں لکھا گیا۔ اور اشک بار آنکھوں سے پڑھا گیا۔ لیکن اس درد انگیز واقعہ اور ماتم خیز حادثہ کے اندر شریعت اسلامیہ کی بے شمار بصیرتیں مضمر تھیں جن کو خون کی ان چادروں نے چھپا دیا اور ہزاروں

اس لئے اب ہم کو قدیم زمانے کی مجلس ہائے ماتم میں ایک

کا اضافہ کرنا چاہیئے اور خون آلود آنسوؤں کا جو چشمہ ہمارے زخم رسیدہ دلوں سے ابل رہا تھا۔ اس کو کچھ دیر کے لئے ملتوی کر کے خود واقعہ شہادت کو اسرارِ شریعتِ اسلامیہ کا سرچشمہ بنانا چاہیئے حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر ماتم کرنے کا یہ ایک نتیجہ خیز طریق ہوگا۔ اور شریعت نے امت محمدیہ کو اسی قسم کے طریق ماتم کی ہدایت فرمائی ہے

دنیا میں اسلاف پرستی کا فطری مادہ ہر قوم کے اندر ہمیشہ موجود رہا ہے۔ اسی بنا پر تمام قوموں نے اپنے اسلاف کا ماتم مختلف طریقوں سے منایا ہے اور ان کے اعمال کو آئندہ نسل کی عبرت و بصیرت کے لئے زندہ رکھنا چاہا ہے۔ لیکن ان تمام طریقوں

پیش کر دیئے اور کہا کہ دن میں پانچ بار جب خدا کے حضور آؤ۔ تو صراط مستقیم پر چلنے کی ہدایت مانگو۔

ساتھ ہی تشریح کر دی کہ صراط مستقیم انبیاء، صدیقین، شہدا اور صالحین کی راہِ علم و عمل ہے۔ اور اس لئے ان کے نمونے ہر وقت تمہارے سامنے رہنے چاہئیں۔

پس ماتم کی رسم پر وحشت نے جن تاریک پردوں کو ڈال کر اصل حقیقت کو چھپا دیا تھا۔ اور تمدن و تہذیب نے پردوں پر نظر فریب رنگ چڑھا کر جن بصیرتوں کو گم کر دیا تھا۔ اسلام نے ان سب کو چاک چاک کر دیا۔ اور مغز حقیقت جن چھلکوں میں چھپا ہوا تھا۔ ان سے نکل کر علانیہ آشکارا ہو گیا۔

قرآن حکیم میں انبیائے سابقین کے جو قصص مذکور ہیں ان کے اندر درحقیقت انہی بصائر و حکم کی روح مضمر ہے۔ جو مجسموں کے قالب میں حلول کر کے بالکل بے اثر اور محض ظاہر فریب ہو جاتی تھی۔ قرآن مجید قدمار و اعاظم رجال کی یادگاروں کے قائم کرنے کے اصل مقصد کو " اسوۂ حسنہ " کے جامع لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور مسلمانوں کو جا بجا اس پر توجہ دلاتا ہے۔ چنانچہ تم نے بارہا پڑھا ہوگا، کہ اس نے حضرت ابراھیم خلیل علیہ السلام کے نمونہ حیات کو مسلمانوں کا قبلۂ وجوہ و کعبۂ انظار قرار دیا:۔

قد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہٗ (۶۰:۴)

تمہارے لئے حضرت ابراھیم کی حیات طیبہ میں، اور ان کی زندگی میں جو ان کے ساتھی ہیں پیروی کیلئے بہترین نمونہ رکھا گیا ہے۔

اس بنا پر اسلام دنیا کا پہلا مذہب ہے جو اسلام پرستی کی صحیح اصول پر اسلامی تعلیم دیتا ہے اور اسی صحیح اصول کے مطابق چاہئے کہ حضرت امام حسین علیہ السلام کے واقعہ شہادت کے اندر عزم و استقلال، صبر و ثبات، استبداد شکنی قیام جمہوریت امر بالمعروف، و نہی عن المنکر کی جو عظیم الشان بصیرتیں موجود ہیں۔ ان کی یاد کو ہر وقت

حقیقت و روح کو لے لیا۔ اور غیر مناسب و ناموزوں جسم و لباس کو چھوڑ دیا۔
وحشت نے جن حقیقتوں کو تاریک پردوں میں چھپا دیا تھا۔ وہ دفعتہً چاک چاک ہو گئے۔ جہالت نے جن موتیوں کو پتھروں کے ڈھیر میں گم کر دیا تھا۔ وہ اس سے الگ ہو کر دنیا میں دامنِ مراد میں آ گئے۔ غیر معتدل تمدّن نے جن کھلی ہوئی بصیرتوں کو خوش نما چادروں کے آب و رنگ میں رازِ سربستہ کی طرح مقفل کر دیا تھا، وہ یکسر خاموش ہو گئے۔ اور حقیقت آفتاب کی طرح علانیہ بے نقاب ہو کر ہر انسان کو نظر آ گئی۔ قرآنِ حکیم نے اسی انقلاب کو ان مختصر الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

اللّٰہ ولی الذین اٰمنوا یخرجھم	خدا مسلمانوں کا دوست اور ساتھی ہے
من الظلمات الی النور والذین	ان کو ہر طرح کی تاریکیوں سے نکال کر
کفروا اولیاءھم الطاغوت	فطرتِ صالحہ کی ربانی روشنی میں لاتا ہے
یخرجونھم من النور الی	مگر کفار کے دوست ان کے طاغوت
الظلمات (۳ : ۲۵۷)	ہیں۔ جو ان کو خدا کی بخشی ہوئی روشنی سے

نکال کر جہل و ضلالت کے اندھیرے کی طرف لے جاتے ہیں۔
یہ ایک عظیم الشان انقلاب تھا جس کی جھلک اسلام کی تمام تعلیمات میں نظر آتی ہے اور مشاہیر پر ماتم کرنے کا طریقہ بھی اس سے مستثنےٰ نہیں۔ چنانچہ قدماء کی یادگار قائم کرنے اور ان کے اعمال و آثار کو زندہ رکھنے کا جو طریقہ زمانہ قدیم سے چلا آتا تھا۔ اسلام نے اس میں بھی ایک روحانی انقلاب پیدا کر دیا۔ اس نے مسلمانوں کی شکل اسلاف پرستی کی اجازت نہیں دی۔ کیونکہ وہ بت پرستی تک منجر ہوتی ہے اور اسلام زندہ انسانوں کے شرف کو پتھروں کے آگے نہیں جھکانا چاہتا۔ مگر اس نے مشاہیر کرام اور اسلاف صالحین کے نمونوں کے فوائد عظیمہ کو بھی ضائع نہ ہونے دیا۔ اور ان کے اثر کو اس طرح حی و قیوم کر دیا۔ کہ ہر مومن کے آگے ان کی عملی زندگی کے نمونے

اَصَرُّوا وَاسْتَكْبَرُوا اسْتِكْبَارًا

ان تک میری آواز نہ پہنچ جائے آہ! یہ حق ناشناس قوم ہمیشہ ہٹ دھرمی اور باطل پرستانہ گھمنڈ کا اظہار کرتی رہی۔

لیکن اس پیغمبرانہ آواز کی صدائے بازگشت صرف ان کی قوم ہی کے در و دیوار سے ٹکرا کر ناکامیاب واپس نہیں آئی۔ بلکہ خود ان کے گھر کے در و دیوار نے بھی اس کو ٹھوکر لگائی۔ اور خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ یعنی ان کے بیٹے نے بھی اس نور کو قبول نہ کیا۔ آخری وقت میں حضرت نوح علیہ السلام نے پھر اپنے بیٹے کو خدا کی پناہ میں بلایا۔ لیکن اس وقت بھی اس کا گوشِ نصیحت نیوش وا نہ ہوا۔ اس لئے وہ بھی تمام قوم کے ساتھ عذاب الٰہی کی طوفان خیز موجوں میں بہہ گیا۔

وَنَادٰی نُوحٌ ابْنَهٗ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكٰفِرِينَ قَالَ سَاٰوِيْ إِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ۔ (۱۱ : ۴۳)

اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا، وہ کنارا پر کھڑا تھا کہ اے میرے بیٹے! ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا کافروں کا ساتھ نہ دے! اس نے کہا۔ میں کسی پہاڑ پر پناہ لے لوں گا۔ اور وہ مجھے پانی کی زد سے بچا لے گا۔ نوح نے کہا۔ تو کس خیال خام میں پڑا ہے؟ آج خدا کے عذاب سے کوئی بھی نہ بچا سکے گا۔ چنانچہ نوح کی پکار کچھ سود مند نہ ہوئی۔ اور اس کے اور اس کے بیٹے کے درمیان موج حائل ہو گئی اور تمام لوگوں کے ساتھ وہ بھی ڈوب گیا

حضرت لوط علیہ السلام کے تمام خاندان نے اگرچہ ان کا ساتھ دیا لیکن خود ان کی

تازہ رکھیں اور کم از کم سال میں ایک بار اس مذہبی قربانی کی روح کو تمام قوم میں ساری و جاری کر دیں۔

لیکن ان بصیرتوں کے علاوہ حضرت امام حسین علیہ السلام کی ذات میں ایک اور عظیم الشان بصیرت موجود ہے جس کا سلسلہ مذہب کی ابتدائی تاریخ سے شروع ہوتا ہے۔ اور اس کی آخری کڑی اسلام کی تکمیل سے جا کر مل جاتی ہے۔

دنیا کی مذہبی تاریخ کی ابتداء عجیب بے کسی کی حالت میں ہوئی۔ ہم نے دنیا کے سخت سے سخت معرکوں میں باپ کو بیٹے کا شریک، بھائی کو بھائی کا حامی، بی بی کو شوہر کا مددگار پایا ہے۔ لیکن صرف مذہب ہی کا روحانی عالم ایک ایسا عالم ہے، جہاں باپ کو بیٹے نے، بھائی کو بھائی نے، شوہر کو بی بی نے چھوڑ دیا ہے۔ بلکہ ان کی مصیبتوں میں اور بھی اضافہ کیا ہے۔

یہی سبب ہے کہ خاندان نبوت ہمیشہ اعزوا قارب کی اعانت سے محروم کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے ایک مدت تک شب و روز اپنی قوم کو دعوت توحید دی اور قوم نے فرطِ بغض و عناد سے ان کی دعوت حق کو رد کر دیا۔ ان سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور کانوں میں انگلیاں تک دے لیں۔

قال رب انی دعوت قومی	نوحؑ نے عرض کیا! خداوندا میں
لیلاً و نھاراً فلم	نے شب و روز دعوتِ حق کی لیکن
یزدھم دعائی الا فرارا	اس کا الٹا اثر یہ ہوا کہ لوگ مجھ سے
وانی کلما دعوتھم	اور زیادہ بھاگنے لگے۔ میں نے جب
لتغفر لھم جعلوا	ان کو تیری مغفرت کے لئے پکارا
اصابعھم فی اذانھم	انہوں نے کانوں میں انگلیاں ڈال
واستغشوا ثیابھم و	لیں اپنے کپڑوں میں لپٹ گئے کہ

انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ ؕ قال یابت افعل ماتؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین فلما اسلما وتلہ للجبین وناد ینہ ان یا ابراھیم قد صدقت الرءیا انا کذلک نجزی المحسنین ان ھذا لھو البلاء المبین

(۳۷: ۱۰۲ تا ۱۰۶)

کے ساتھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے۔ تو انہوں نے ایک دن کہا۔ اے بیٹے! میں نے خواب دیکھا ہے کہ گویا تمہیں راہِ حق میں ذبح کر رہا ہوں۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ تم بھی اس پر غور کرو۔ کہ اب کیا کرنا چاہئے؟ بیٹے نے بلا تامل کہا۔ اے میرے باپ اس خواب سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ تعالےٰ کی جانب سے ایک اشارہ ہے۔ بس آپ حکم کو پورا کیجئے۔ مجھے انشاء اللہ صبر کرنے والوں اور ثابت قدموں میں سے پائیے گا۔ جب باپ بیٹے دونوں خدا کے آگے جھک گئے۔ اور باپ نے ذبح کرنے کے لئے بیٹے کو زمین پر پچھاڑا۔ تو اس وقت ہم نے آواز دی: اے ابراھیم! بس کرو۔ تم نے اپنے خواب کو سچ کر دکھایا۔ ہم صاحبان احسان کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ دراصل یہ ایک بہت بڑی قربانی تھی۔ جس کی تعمیل کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی ان کے خاندان کی اعانت و رفاقت شریک رہی۔ چنانچہ جب ان کو شعلہ طور کی زبان نے بشارت نبوت دی۔ تو ان کی بی بی ان کے ساتھ تھیں۔ بلکہ انہیں کے لئے وہ آتش کدۂ طور سے آگ لینے گئے تھے

فلما قضیٰ موسی الاجل

جب موسیٰؑ مدن سے اپنی بی بی

بی بی ان سے علیحدہ ہو کر تمام قوم کے ساتھ عذاب الٰہی میں شامل ہو گئی

قالوا انا ارسلنا الی قوم	فرشتگانِ عذاب نے کہا۔ ہم
مجرمین الا آل لوط انا	ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے
لمنجوھم اجمعین الا	ہیں۔ جو ہلاک ہونے والی ہے مگر
امراتہ قدرنا انھا	ہاں ایک خاندان وہاں لوط کا ہے
لمن الغابرین (۱۵ پ ع ۵۸)	اس کے تمام افراد کو ہم بچا لیں گے

مگر اس کی بیوی نہیں بچے گی۔ اس لئے کہ ہمارا اندازہ ہو چکا ہے کہ وہ بھی پیچھے رہ جانے والوں کا ساتھ دے گی۔

لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے خاندانِ نبوت میں ایک عظیم الشان انقلاب پیدا ہوا حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ان سے علیحدہ ہو گیا تھا حضرت لوط علیہ السلام کی بی بی نے ان سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی لیکن اس دورِ ابراہیمی میں بیٹے نے باپ کی۔ بی بی نے شوہر کی۔ بھائی نے بھائی کی دعوتِ حق پر لبیک کی صدا بلند کی۔ اور اس دعوت کی اشاعت میں جو جو مصیبتیں ان پر پیش آئیں۔ ان میں برابر کے شریک رہے۔ سب سے پہلے حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اس جہادِ روحانی کی طرف قدم بڑھایا۔ اور اپنے شوہر کے ساتھ اپنے لختِ جگر کو ایک " وادی غیر ذی زرع " میں ڈال دیا۔ جہاں کئی سو میل تک آب و گیاہ کا پتہ نہ تھا۔ یہ اسی سخت امتحان کی پہلی منزل تھی جس کے لئے خداوند تعالےٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو انتخاب کیا تھا چنانچہ جب اس آخری امتحان کا وقت آیا۔ تو انہوں نے اپنے باپ کے آگے سرِ اطاعت خم کر دیا۔

فلما بلغ معہ	جب اسمٰعیل علیہ السلام
السعی قال یا بنی	حضرت ابراہیم علیہ السلام

وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلٰكِن شُبِّهَ لَهُم

(۴ : ۱۵۸)

اور ان لوگوں نے نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا۔ نہ پھانسی دی بلکہ ان پر اس قربانی کی حقیقت مشتبہ ہوگئی

لیکن اسلام کے زمانہ تک خدا کی راہ میں جو قربانیاں ہوئی تھیں وہ محض شخصی حیثیت رکھتی تھیں یعنی انبیاء نے شخصی طور پر اپنی اولاد کو یا اپنے آپ کو قربان کر دیا تھا جہاد کی یہ ابتدا تھی، مگر اس کی تکمیل شریعتِ اسلام پر موقوف تھی، چنانچہ اسلام نے جس طرح عقائد، عبادات اور معاش و معاد میں تمام قدیم مذاہب کی تکمیل کی۔ اسی طرح جہاد کی حقیقت کو بھی مکمل اور واضح کر دیا۔

اب تک کسی پیغمبر کے خاندان نے جہاد میں کوئی حصہ نہیں لیا تھا۔ شخصی طور پر جو قربانیاں کی گئیں وہ راہ ہی میں روک لی گئیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے لختِ جگر کو خدا کی نذر کرنا چاہا لیکن اس کا موقعہ ہی نہ آیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی کی طرف بڑھے لیکن بچائے گئے۔ آج تک تمام خاندانِ نبوت نے متفقہ طور پر اس میں شرکت بھی نہیں کی تھی، اور اس کی کوئی نظیر تمام سلسلۂ انبیاء میں نظر نہیں آئی تھی کہ صرف بھائی، صرف بیٹا، صرف بیوی ہی نے مقصدِ نبوت میں ساتھ نہ دیا ہو۔ بلکہ تمام خاندانِ نبوت کے اکثر اعضاء و ارکان راہِ حق میں قربان ہوئے ہوں۔

یزید کی شخصی خلافت کی بیعت کے لئے جو ہاتھ بڑھے تھے وہ اسلام کی جمہوریت کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے، اور مذہب کی قربانیاں صرف امر بالمعروف ونہی عن المنکر ہی کے لئے ہوا کرتی تھیں۔ اس لئے جب اسوۂ ابراہیمی کے زندہ کرنے کا ٹھیک وقت آگیا تو خاندانِ نبوت کے زن و مرد، بال بچے، غرض ہر فرد نے اس میں حصہ لیا اور جن قربانیوں کے پاک خون سے زمین کی آغوش اب تک خالی تھی۔ ان سے کربلا کا میدان رنگ گیا۔

فسار باهله انس من جانب طور نارا قال لاهله امكثوا انى انست نارا لعلى اتيكم منها بخبر او جذوة من النار لعلكم تصطلون

کوچ کر چلے تو ان کو کوہ طور کے دامن میں آگ کی روشنی نظر آئی انہوں نے اپنی بیوی سے کہا یہیں ٹھہرو۔ میں نے ایک آگ دیکھی ہے۔ اس کا پتہ لگاتا ہوں شاید تمہارے تاپنے کے لئے آگ حاصل کرسکوں۔

(۲۸: ۲۹)

لیکن وادی ایمن میں جا کر معلوم ہوا کہ یہ آگ کا شعلہ نہ تھا بلکہ وہ ایک برقِ خاطف تھی جو فرعون کے خرمنِ ظلم و استبداد پر گرنا چاہتی تھی۔ چنانچہ جب خدا نے عصا اور ید بیضا کی صورت میں ان کو یہ صاعقہ ہلاکت دیا اور انہوں نے اپنے بھائی ہارون کی اعانت کا سوال کیا تو خدا نے اُسے پورا کیا۔

قال سنشد عضدك باخيك ونجعل لكما سلطاناً

خدا نے کہا: میں تیرے دست و بازو کو تیرے بھائی کی اعانت سے قوی کر دوں گا۔ اور تم دونوں کو فرعون پر غالب کروں گا۔

چنانچہ حضرت ہارون علیہ السلام نے آغازِ سے انجامِ کار تک حضرت موسیٰ کا ساتھ دیا۔ اور دعوتِ موسوی کے ہمیشہ شریک و امین رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد اسی سلسلہ کو اور ترقی ہوئی۔ پہلے خدا کے ایک صالح بندے نے اپنے بیٹے کو خدا کی مرضی پر قربان کرنا چاہا تھا۔ لیکن اب وہ وقت آیا کہ خود حضرت مسیح علیہ السلام نے قربانی کے جامِ مقدس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ان کے لئے سُولی کا جو تختہ تیار کیا گیا تھا۔ اسی کی طرف بلا کسی باک کے بڑھے۔

ہوئے ہیں۔ وہ وقائع و حوادثِ اسلامیہ کا وہ عظیم الشان واقعہ ہے، جو تاریخ اسلام کے اولین صدی سے لے کر اس وقت تک اپنے عجیب و غریب تاثرِ ماتم و درد اور حیرت انگیز بقائے ذکر و تاثیر کے لحاظ سے نہ صرف تاریخ اسلام بلکہ تمام حوادثِ محزنۂ عالم میں ایک عدیم النظیر امتیاز رکھتا ہے۔

وہ تمام آنسو جمع کئے جائیں جو ۶۱ھ ہجری سے لے کر اس وقت تک اس واقعہ جاں سوز پر بہائے گئے ہیں۔ اگر وہ تمام دردِ آہ و فغانِ سوزاں یکجا کیا جا سکے جو ان تیرہ صدیوں کی لاتعد و لاتحصی اسلامی نسلوں کی صداہائے ماتم کے ساتھ بلند ہوتا رہا ہے۔ اگر درد و کرب کی وہ تمام چیخیں، اضطراب و الم کی تمام پکاریں، سوزش و تپش کی وہ تمام بے قراریاں، اکٹھی کی جا سکیں جو اس حادثۂ کبریٰ کی یاد نے ہزار در لاکھوں انسانوں کے اندر ہمیشہ پیدا کی ہیں، تو عزیزانِ ماتم شعار! کون کہہ سکتا ہے کہ خون فشانیہائے حسرت کا ایک نیا اٹلانٹک و اوقیانوس سطح پر بہ نہ جائے گا؟ دردِ آہ و فغاں کی ہزار ہزار بھٹیاں بھڑک نہ اٹھیں گی؟ اور درد و الم کی چیخوں، حسرت کی صداؤں، تڑپ کی بے چینیوں کے ہنگامہ خونیں سے تمام عالم ایک شورزارِ نالہ و بکا نہ بن جائیگا۔

تاہم میں جو پیام پہنچانے کے لئے آج آیا ہوں۔ وہ اس تذکرہ سے بالکل مختلف ہے۔ میں غم و الم کی شدت و کثرت کے اعتراف کی تاریخ نہیں ہوں، بلکہ اس عدیم النظیر شدت و کثرت کے بعد بھی آنسوؤں کی طلب ہوں۔ آہوں کی صدا ہوں۔ بیقراری کی پکار ہوں، اضطراب کی دعوت ہوں۔ اور آہ! آہ! اے صد ہزار آہ و حرمان کہ غم کے لئے بھوکا ہوں۔ اور درد و الم کے لئے یک قلم پیاس ہوں۔

پس میں آج ان آنکھوں کا تذکرہ نہیں کرتا جو بہت رو چکی ہیں۔ مجھے ان آنکھوں کا سراغ بتلاؤ جو اب بھی رونے کے لئے نم آلود ہیں۔ میں ان دلوں کی سرگذشت نہیں

پس حضرت حسین علیہ السلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے۔ اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ ہی سے نہیں بلکہ اسلام کی اصل حقیقت سے ہے یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا اور وہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات تک پہنچ کر گم ہو گئی تھی۔ اس کو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی سرفروشی سے مکمل کر دیا۔

خاندانِ نبوت، دنیا کے آباد کرنے کے لئے ہمیشہ اُجڑتا رہا

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے گھر بار چھوڑا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آوارہ گردی کی۔ اور نبوتِ محمدیؐ کے متبعین میں سے حضرت حسین علیہ السلام نے میدانِ کربلا کے اندر اس خانہ ویرانی کو مکمل کر دیا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے خاندانِ نبوت کا سلسلہ ملا ہوا ہے۔ انہوں نے ایک وادئی غیر ذی ذرع میں شدت تشنگی سے ایڑیاں رگڑی تھیں حضرت حسین علیہ السلام نے بھی میدانِ کربلا میں اس خاندانی روش کو زندہ کیا۔

خونِ شہادت کی پکار

(ایک درس بصیرت)

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

برادران عزیز!

آج جس حادثہ کبریٰ اور شہادتِ عظمیٰ کے تذکار و درس کے لئے ہم سب یہاں جمع

ندیوں کی روانی، تڑپتی ہوئی لاشوں کے ہنگامۂ اختصار، اور ظلم و مظلومی، جرح و محرومی قتل و مقتولی کے ہنگامۂ الیم کے اندر سے نالہ ساز طلب اور فغاں فرمائے دعوت تھا۔

شدیم خاک و لیکن بوئے تربت ما
تواں شناخت کزیں خاک مردمی خیزد

لیکن اگر یہ دعوتِ درد محض اس پانی کے لئے ہے جو ندیوں کی جگہ آنکھوں سے بہے۔ اگر یہ طلب محض ان صداؤں کے لیے ہے۔ جن کا غوغا درختوں کے جھنڈ، چڑیوں کے گھونسلوں، دریاؤں کے سیران کی جگہ انسانوں کی زبانوں سے بلند ہو۔ اگر یہ انتظار الم محض اس ماتم کے لئے ہے جو پتھروں کے ٹکرانے کی جگہ انسانی دست و سینہ کی ٹکر سے ہنگامہ ساز ہو۔ تو اے برادرانِ غفلت شعار! اور اے چشمانِ خواب آلود! بلا شبہ یہ سب کچھ ہو چکا۔ اور بلاشبہ سوال کو جواب، دعوت کو لبیک اور طلب کو مطلوب مل چکا۔

اگر انسان کا بچہ بھوک سے روتا اور روٹی کے لئے آنکھوں کو سرخ کر لیتا ہے، تو انسانوں کے بڑے بڑے گروہ کیوں نہیں آنسو بہا سکتے؟

اگر درختوں کے جھنڈ ہوا سے ہل کر چند لمحوں کے لئے دنیا کو شور و غوغا سے لبریز کر سکتے ہیں۔ تو آدم کی اولاد اپنے آہ و بکا سے کیوں آسمان کو سر پر نہیں اٹھا سکتی؟

اگر بے جان بے روح پتھر دوسرے پتھر پر گر کر رعد و برق کا ہنگامہ پیدا کر سکتا ہے۔ تو تم کہ روح و ارادہ رکھتے ہو، اپنے دست ہائے ماتم کناں سے کیوں ایک ہنگامہ زار دہشت گرم نہیں کر سکتے؟

کیا تم کو دنیا کی ان آنکھوں کی خبر نہیں جو روتی ہیں، حالانکہ ان سے ایک

سناتا جو تڑپتے تڑپتے تھک چکے ہوں۔ میں ان دلوں کی تلاش میں نکلا ہوں۔ جو اب بھی تہ و بالا ہونے کے لئے مضطرب ہیں! مجھے ان زبانوں سے کیا سروکار جن کو فغاں سنجی ہائے ماضی کا ادعا ہے۔ آہ! میں تو ان زبانوں کے لئے پکار رہا ہوں۔ جن کے اندر غم و ماتم کی بھٹیاں سلگ رہی ہوں۔ اور ان کا دھواں آج بھی کائنات نشاطِ نادانی کی اس فضائے غفلت کو مکدر کر سکتا ہو جس کو عیش و عشرت کے قہقہوں میں درد و عبرت کی ایک آہ بھی نصیب نہیں!

نہ داغِ تازہ می خارد، نہ زخمِ کہنہ مے کارد!
بدہ یارب دلے، کیں صورتِ بے جاں نمی خواہم

ہاں! یہ سچ ہے کہ رونے والے اس پر بہت روئے، ماتم کرنے والوں نے ماتم میں کمی نہ کی۔ آہ و نالہ کی صداؤں نے ہمیشہ ہنگامۂ الم کی مجلس طرازیاں کیں۔ اور یہ سب کچھ اب اتنا ہو چکا ہے جتنا آج تک شاید ہی دنیا کے کسی حادثۂ غم کو نصیب ہوا ہو۔

تاہم تم یقین کرو کہ باایں ہمہ اس حادثۂ عظیمہ کی دعوتِ اشک و حسرت اب تک ختم نہیں ہوئی ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی دعوت درد کے اندر جو حقیقی طلب تھی۔ وہ اب تک لبیک کے سچے استقبال سے محروم ہے۔

تیرہ صدیاں مع اپنے دوران محرم و عشرۂ ماتم کے اس پر گذر چکی ہیں۔ لیکن اب تک خاکِ کربلا کے وہ ذراتِ خون آشام جن کو آج بھی اگر نچوڑا جائے۔ تو خونِ شہادت کے مقدس قطرے اس سے ٹپک سکتے ہیں، بدستور آنسوؤں کے لئے پکار رہے ہیں۔ خون فشانیوں کے لئے داعی ہیں آہ و فغاں کے لئے تشنہ ہیں۔ اضطراب و التہاب کے لئے بے قرار ہیں۔ اور فضائے ریگ زار کرب و بلا کا ایک ایک گوشہ اب تک دیدہ ہائے اشک فشاں، جگر ہائے سوختہ و دلہائے دو نیم اور زبان ہائے ماتم سرا کے لئے اسی طرح چشم براہ ہے جس طرح سنہ ۶۱ھ کی ایک آتش خیز دوپہر میں خون کی

کے لئے نہیں پکارتی بلکہ دل کے مال کی محض ایک صدائے حقیقت
کے لئے تشنہ ہے اگر تمہارے پاس اس کے لئے آنکھوں کا آنسو نہ ہو۔
تو اسے کوئی شکایت نہیں۔ لیکن آہ تمہاری غفلت! اگر تمہارے پہلوؤں
میں کوئی زخم ہو جس سے پانی کی جگہ خون بہے اگر تمہاری زبانوں کو درد
کی چیخ نہیں آتی تو کوئی مضائقہ نہیں، لیکن آہ! یہ کیا ہے کہ تمہارے
دلوں کے اندر حقیقت شناسی کا ایک ٹیس، عبرت کی ایک ٹپک، بصیرت
کی ایک تڑپ، احساس صحیح و حق کا اضطراب بھی نہیں ہے۔

طوفانِ نوح لانے سے اے چشم فائدہ
دو اشک بھی بہت ہیں، اگر کچھ اثر کریں

اللہ اللہ!! سید الشہداء مظلوم کی مظلومی، اور یا للعجب غفلت و نادانی کی
بوقلمونی!! اس سے بڑھ کر دنیا میں مظلومی کی مثال اور کیا ہو سکتی ہے، کہ دشمنوں
اور دوستوں، دونوں نے اس پر ظلم کیا، دشمنوں نے اس کی شہادت عظیمہ کی
عظمت مٹانی چاہی، مگر دوستوں نے بھی اس کی شہادت کی اصلی حقیقت و بصیرت
سے غفلت کی۔ دشمنوں نے اس پر ظلم کیا۔ کیونکہ اس کی مظلومی پر انہیں رونا نہ
آیا۔ پر ان دوستوں نے بھی ظلم کیا، جو کو روئے، مگر اس کی اصلی تقدیس و
شرف کے لئے سچائی اور عمل کا ایک آنسو بھی نہ بہا سکے۔ دشمن تو دشمن تھے۔ اس لئے
انہوں نے اس کی دعوتِ حق کو مٹانا چاہا مگر دوست تھے، دوست ہو کر بھی اس
کی دعوت کی پیروی نہ کر سکے۔

ونراھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون

پس سچا ماتم وہی ہے جو صرف ہاتھ ہی کا نہیں، بلکہ دل کا ماتم ہو، اور دعوتِ
درد کا اصلی جواب وہی ہے جو عبرت و بصیرت کی زبان سے نکلے تمہاری آنکھیں

آنسو بھی نہیں بہا؟

کیا تم نے ان زبانوں کے متعلق کچھ نہیں سنا جو چیختی ہیں، حالانکہ انہوں نے ایک چیخ بھی نہ پائی؟ اور کیا تم نے ان جسموں کا تماشا نہیں دیکھا جو تہ و بالا ہوتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ایک تڑپ بھی نصیب نہ ہوئی؟

پھر کیا اس غفلت آباد ہستی میں وہ دل بھی نہیں ہیں جو گو دل ہیں۔ مگر دل نہیں ہیں۔ کیونکہ دل کی طرح نہیں سوچتے؟ کیا وہ کان بھی نہیں ہیں، جو گو سامع ہیں۔ مگر کان نہیں، کیونکہ سنتے ہیں؟ اور کیا ایسی آنکھیں بھی نہیں ہیں جو گو بصیر ہیں۔ مگر آنکھیں نہیں ہیں، کیونکہ نہیں دیکھتیں؟

لھم قلوب لا یفقھون بھا ولھم اعین لا یبصرون بھا ولھم اذان لا یسمعون بھا اولئک کالانعام بل ھم اضل اولئک ھم الغافلون ہ

پس اے عزیزان من! درد و الم کی یہ پاک دعوتیں صرف اس روانی آب، تسلسل صدا اور ہنگامۂ غوغا ہی کے لئے نہیں ہوتیں۔ جو آنسوؤں، فغاؤں اور ماتموں کے نام سے ظہور آجاتیں۔ اور اگر ان کا یہی مقصد ہوتا تو اس کے لئے انسان کی کوئی خصوصیت نہ تھی کتنے ہی سمندر پانی سے بھرے ہوئے ہیں، اور کتنے ہی جنگل شور وغوغا سے ہنگامہ زار ہیں۔

بلکہ یہ دعوت، یہ پکار، یہ طلب یہ ھل من مجیب فی الحقیقت ان آنسوؤں کے لئے ہے جو صرف آنکھوں ہی سے نہیں بلکہ دل سے بہیں۔ وہ ان آہوں کا دھواں مانگتی ہے۔ جن کی لپٹیں صرف منہ ہی سے نہیں بلکہ اعماق قلب سے اٹھیں۔ وہ صرف ہاتھوں ہی کے ماتم

جن پر[1] ناموران ملت کے مناقب و محامد کندہ تھے۔ عرب جاہلیت نے اپنے سلسلہ انساب کا ایک حرف ضائع ہونے نہ دیا۔ اور ذوالمجاز اور عکاظ میں اسلاف کے مفاخر ومعالی کی داستان سرائی قائم کی۔ مصریوں نے ایسے ایسے مینار بنائے، جو ہزاروں برسوں کے بعد بھی اپنی تعمیرِ اولین کی طرح محکم و استوار ہیں۔ اور پھر ان کے اندر اپنے ناموروں کی لاشوں کو حنوط (ممی) کرکے محفوظ کر دیا۔ ہندوستان نے اپنے مہابھارت کے معرکے کو قومی روایتوں میں داخل کر دیا اور والمیک کی سحر طرازیوں نے نسلی مفاخر کی روح کو پژمردگی سے بچایا۔ اقوامِ قدیمہ کے یہ تمام اعمال صرف اسی حقیقت کے لئے تھے کہ اسلاف و مشاہیر کی یاد زندہ و قائم رکھی جائے۔

آج اوقیانوس کا بحری مسافر واشنگٹن کے بت کو ساحلِ امریکہ سے دیکھ کر دور سے پکار اٹھتا ہے۔ یورپ کے بڑے بڑے شہروں اور ان کی محکوم نوآبادیوں کی شاہراہوں اور باغوں میں جابجا سنگی بت نصب نظر آتے ہیں۔ سیکسپیئر کا مولد اب تک قائم ہے۔ ملٹن کی میز کو مرنے نہیں دیا جاتا۔ جانسن کے آثار اب بھی ہر شخص دیکھ سکتا ہے۔ میدان میں ایک جگہ یہ سنگی کتبہ تم پڑھو گے "پاک میزینی نے یہاں اپنا بچپن گذارا تھا"

یہ سب کچھ بھی اسی مشاہیر پرستی کی ایک زیادہ خوشنما و دلفریب شکل ہے جو پہلے محض قومی روایتوں اور افسانہ طرازیوں کے ذریعہ قائم رکھی جاتی ہے۔

---

[1] حجری کتب خانے سے مقصود تمدن بابل و کالڈیا کا وہ عہد مدنی ہے جبکہ کتابیں بتوں اور درخت کی چھالوں کی جگہ پتھر پر کندہ کرکے لکھی گئیں۔ اور جن کا ذخیرہ بابل کے آثار عتیقہ میں موجود ہے۔

اس حادثے پر بہت رو چکی ہیں ۔مگر اب تک تمہارے دل کا رونا باقی ہے۔ اور اگر رونا ہے تو اپنے دل کو رلاؤ، ورنہ صرف آنکھوں کی اس روانی کو لے کر کیا کیجئے جس میں دل کی ایک اشک افشانی کا کوئی حصہ نہیں ہے، حالانکہ انسان کی ساری کائناتِ حیات صرف دل ہی کی زندگی سے ہے۔

فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور

مجھے یہ ڈر ہے دل زندہ کو تو نہ مر جائے
کہ زندگانی عبارت ہے تیرے جینے سے

پس آؤ، اس حادثۂ عظیمہ پر غور و فکر کی ایک نئی صفِ ماتم بچھائیں۔ اور ان حقیقتوں اور بصیرتوں کی جستجو میں نکلیں جن پر آنکھوں کی اشک افشانیوں سے زیادہ روح پر ماتم طاری ہوتا ہے۔

سب سے پہلی چیز جو اس سلسلہ میں ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ اس واقعہ کی یادگار اور اس کا دائمی تذکار ہے۔

دنیا میں ہر قوم نے اپنے ماضی کے ان واقعات و حوادث کی ہمیشہ تعظیم کی ہے جن کے اندر قوم و ملک کے لئے کوئی غیر معمولی تاثیر یا عبرت پائی جاتی تھی اور ہمیشہ ان انسانی بڑائیوں اور عظمتوں کی یاد کو یادگاروں، تہواروں، عمارتوں، تاریخوں، قومی روایتوں، اور قومی مجمعوں کے انعقاد کے ذریعہ زندہ رکھنا چاہا ہے، جن کے اندر خود اس قوم کی کوئی عظمت اور بڑائی پوشیدہ ہے۔

پہلی چیز جس کو تمام اقوام متمدنہ نے "مشاہیر پرستی" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے یہی چیز ہے کہ ہر قوم اپنی قومیتوں کے بڑے بڑے بانیوں، مذہبی معلموں، محب الوطنوں اور قومی شہیدوں کی یاد کو کبھی بھی مفقود نہ ہونے دیتی

ہومر نے ایلڈ لکھی۔ کالڈیا کے حجری کتب خانے میں وہ اینٹیں رکھی گئیں

لیکن یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ اس تذکار و یادگار کا اصلی مقصد کسی واقعہ کو محض یاد رکھنا، یا کسی نام کو فراموش نہ ہونے دینا ہی نہیں تھا۔ بلکہ کچھ اور ہی مقصد تھا کیونکہ اگر یہی مقصد ہوتا۔ تو اس کے لئے کسی خاص نام کسی خاص واقعہ، کسی خاص حادثہ میں کوئی ممتاز خصوصیت نہ تھی۔ پچھلوں کو اگر محض یاد ہی رکھنا ہے، تو اس کے لئے بڑا اور چھوٹا، ادنےٰ و اعلیٰ، نیک و بد، سب یکساں ہیں۔ کون سی وجہ ہے کہ کار تھیج کے مشہور ھنے بال کو یاد رکھا جائے۔ اور سٹیٹس کو یاد نہ رکھا جائے، جو اسی عہد میں گذرا تھا؟

احیاءِ کارہائے نمایاں

سو وہ اصلی روح حقیقت جو اجتماع انسانی کی اس سب سے زیادہ پرانی رسم کے اندر کام کر رہی ہے، دراصل ناموں، وجودوں، شخصیتوں اور محض تذکرہ و یادآوری سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ اس سے اصلی غرض یہ تھی۔ کہ جو اعمال حسنہ، عزائم مہمہ، نتائج عظیمہ، اور بصائر و مواعظ جلیلہ، ان مشاہیر اور ناموروں کی زندگی سے وابستہ ہیں۔ اور جن کی یاد اور تذکرہ کے اندر قوموں اور ملکوں کے لئے سب زیادہ موثر اور نافذ دعوتِ عمل و اتباع ہے، ان کی یاد کا ہمیشہ حی و قائم رکھا جائے۔ اور مختلف ذریعوں سے ایسے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔ جن کی وجہ سے کبھی بھی آئندہ نسلیں ان اعمال حسنہ کے نمونوں کو اپنی نظروں سے اوجھل نہ ہونے دیں۔

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝

تمت بالخیر

ہاتھ کی لکیروں میں قسمت :- آپ اپنا ہاتھ دیکھ کر اپنی قسمت پر حکم لگا سکتے ہو! مصنفہ علامہ نیاز .... قیمت مجلد ۴/۱ صرف

NEW DELHI
9798